

# اکھار میں



راجندر سٹک ہبیدی

اک جادوی بی

راہندر سنگھ سیدی

مکتبہ معاشر میڈیا

راجدرنگ ہبیدی ©

مددفتر

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ

جامعہ نگر، نیو دلی 110025

شاخ

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ  
پنس بلڈنگ

بھئی ۴۰۰۰۰۳



شاخ

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ  
اُردُو بازار

دلی 110006

شاخ

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ

یونیورسٹی مارکیٹ علی گڑھ 202001

7/50 قیمت

جنوری ۱۹۸۰ء

بار سوم

بلڈی آرٹ پریس (پروپرٹر: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ) پودی ہاؤس، دیاگنج دلی

## انتساب

اشکت، بھروسہ، اُمرا و سرستید کے نام

”اپنا ابھی سُرخی شام و سحر میں ہے“  
بھروسہ

## ۱

آج شام سورج کی ٹھلیہ بہت ہی لال تھی..... آج آسمان کے کٹلے  
میں کسی بے گناہ کا قتل ہو گیا تھا اور اس کے خون کے پھینٹے نیچے بکاؤ پر پڑتے  
ہیں۔ نیچے تلو کے سمجھن میں میک ہے تھے۔ ڈٹی پھولی کھی دیوار کے پاس جہاں گھر کے  
وگ کوڑا پھینکتے تھے، ڈبو منہ اٹھا اٹھا کر رددہا تھا۔

دیپہر کے قریب، بڑی دلی کے کارندے جب گٹرل کو گولی ڈالنے کے لئے<sup>لے</sup>  
آئے تو ڈبو نیچ گیا۔ وہ تلو کے کے ہاں کہیں صحن میں بڑی گھردی نیچی کے نیچے سوہا  
تھا۔ اور متناسی رشی کے گھر پر رس رہے تھے اور نیچے کچی زمین کو ٹھنڈا اور خوشبو<sup>بو</sup>  
بنارہے تھے۔ اور ڈبو اس ٹھنڈک اور بُو بُاس سے پورا فائندہ اٹھا رہا تھا۔  
خودی دیر میں وہ اٹھ کر اکڑا، منہ کھول کر جا رہی لی اور پھر باہر چلا آیا۔ جب تک  
اس کی چیزی کتیا بُوڑی کی آنکھیں کاغذ ہو چکی تھیں۔ بُوڑی کے پاس پہنچ کر ڈبو  
نے اے ایک دوبار سونگھا اور پھر اپا اک ایک سخت چل دیا جیسے کوئی بات  
ہی نہیں۔ تلو کے کی بیوی رافو اور اس کی بڑوں چزوں ایک دوسری کامنے تکنے  
لیں۔ چزوں نے اپنی کر کے دالی ناک پر انگلی دھری، پھر ایک لمبی سانس بھری۔

اولیٰ۔

"ہا! مرد کی بات..... سب ایک ہی ہوتی ہے....."  
رازو کی غلافی آنکھیں پھر چڑھا رہی تھیں جیسے کوئی پکڑے کو دھونبا کر چاہٹ  
دھا دو۔ پھر کچھ سمجھ لے مگر آنکھیں پوچھتے ہوئے رانو نے چنول کی طرف دیکھا اور  
سکر اکر بولی۔

"لینے! ترا ڈبو تو ایسا نہیں ۔۔۔۔۔"

اس پر چنول نے رانو کو ایک مردوں والی گالی دی جس سے وہ خود ہی شکر  
لپنے گھر کی طرف بھاگ گئی۔ رانو بھی اندر ہجھ کر کام کا ج میں جائیگ۔ شام کے وقت  
جب وہ رات کی آہ اور دن کی واہ کا کوڑا چینکیز کرنے والے باہر آئی تو دو پھر کے  
سارے داعیات بھول چکی تھی۔ جس ہاتھ سے اس نے کوڑا چینکا، اسی سے جھاؤ  
چھانٹتے ہوئے وہ منہ اٹھا کر رونے والے ڈبو کو بھاٹنے لگی۔

"بات!..... بات مردے ..... پہاں دھرا ہی کیا ہے، تیرے  
روئے کو؟ ۔۔۔۔۔ رونا ہی ہے تو جا سئے چوہدر بیوں کے گھر جا کر روہ جہاں  
دولت کے ڈھیسرہیں، مردوں کی لام لگی ہے ۔۔۔۔۔"

جو ہدری مہربان داس کے ساتھ رانی کو فدا و اسٹے کا بیر تھا۔ شاید اس لئے  
کہ تلوکے، رانی کے گھروالے، کو بد معاشری کی لئے مہربان داس کے ہاتھوں لگی تھی،  
پھر گاؤں کی عورتوں کی عجیب بات ۔۔۔۔۔ لپنے مرد کا کچھ پتا نہیں، دوسروں کے  
مردوں کا کہا یا پیاس ب معلوم رانو، لپنے تلوکے کے پائے میں جب زاب ایک  
والی یا گور داس کی بیوی سے نستی نوجل بھجن کر را کھہ ہو جاتی۔ شاید را کھہ نہیں، کوئی۔

“

کیوں کہ اندر سے رانو بہت پی گئی تھی۔ تلو کا گھر مٹا تو وہ اس سے لڑتی، اُسے نوچتی کاٹتی اور پھر خود ہی مار کھاتی ہوئی ایک طرف جا بیٹھی اور سوچتی تھی۔ ایک طرح کر اچھا ہی ہے جو باہر ہی غصہ نکال آتا ہے اپنا..... بیرے جی کا جھوال تو نہیں ہوتا.....”

ان، صرف ان بالتوں سے رانو کو تلو کے کے مرد ہونے کا پتا چلتا اور وہ ایک خند کے ساتھ اسے اپنا بنا لئے کر شستھوں میں لگ جاتی۔ نکر ششیں کیا؟ — نندے پیل کے تنخے ایک سائیں یا با تھل۔ جتی تھی!

جس کے پارے میں مشہور تھا کہ اس نے رہے کا لنگرٹ پین رکھا ہے اور اب تک نہیں جانتا، عورت کیا چیز ہے؟ حالاں کہ چوبیں گھنٹے، آٹھوں پہر اس کے گرد عورت تو ہی کا جمگھٹا رہتا — کوئی بیٹھا مانگتی، کوئی اٹھرا کی دوائی۔۔۔ اکثر تو اپنے مردوں کو سبھیں کرنے کے لڑکے ہی پوچھنے آئیں! بھی کچھ ہی ہیئے ہوئے اس نے پورن دلی مصارفی کر ڈال کا دیا جس سے نہ صرف وہ پیٹ والی ہو گئی بلکہ گیان چند، اس کا مرد، یا گلوں کی طرح اس کے اور گرد چکر کاٹنے لگا۔

رانو بھی تلو کے کی ماریے بچنے کے لئے با داہری داں سے ایک ٹونالے آئی اور اس تاک میں لگ گئی کب تلو کا کچا دودھ مانگنے اور وہ ٹونے کو اس میں گھول کر پلاوے اور پھر پاس نہ آئے دے۔ ہاں، جب فیصل کرے، پاؤں پڑے، ناک رگڑے — تب..... لیکن، ہفتوں تلو کے نے کچا دردھماں لگا نہ پیا۔

تلو کا روز نہیں تو دوسرا یہ سرے خود رستھے ملائے کی ایک بوتل چپڑی

ہر بان داس کے ہاں سے لے آتا تھا۔ رانو دنیا بھر کے نصیبوں کو معاف کر سکتی تھی لیکن شراب کو نہیں۔ وہ سمجھتی تھی۔ — شراب الیس سرت نہیں دنیا میں۔ مرد پہنچ اپنا سب کچھ کسی دوسرا پرٹھا کئے، پھر بھی اس کا کچھ نہ کچھ تو اپنے لئے نہ کہی رہتا ہے لیکن شراب۔ — ؟ ماں ری ماں! اس سے ترا تی بُو آتی ہے کہ انسان نہ بھی قریب نہیں کر سکتا۔ یوں معلوم ہونے لگتا ہے جیسے اپنا تو کچھ بھی نہیں رہا۔ رب کچھ لٹ گیا۔ ..... تلو کا دن بھر لا ب، امیل، گور دا س دغیرہ کے ساتھ آتا۔ اٹھتا لیکن شام کے وقت، نصیبوں دلے اٹھے پڑو پنج کر اس تاک میں کھڑا ہوا جاتا۔ کہ کوئی بھوٹی بھٹکی سواری مل جائے اور وہ لے اچھے کانے، نرم اور گرم بستر کے لایچے میں لے جا کر، ہر بان داس کی دھرم شالہ میں چھوڑ دے۔ دراصل تلو کا یہ سب ہر بان اور اس کے بھائی گھنٹشام ہی کے لئے کرتا تھا لیکن اس پر بھی بدنامی اس کی اپنی ہوتی تھی۔ اس کے حصے میں آتی بھی تھی تو ایک آدھر چانپ اور مٹھے مالے ڈکی بو تل۔ —

کو ٹلہ جاتر اک جگہ تھی چوہدری کی خوبی کے بازو میں دیوی کا مندر تھا جو کبھی بھروسے چھلے بھتی بچاتی، اس گاؤں میں آنکھی تھی اور اس جگہ جہاں اب ایک مندر کھڑا تھا، اگھڑی دو گھڑی بسram کیا تھا اور پھر بھاگتی ہوئی جا کر سامنے سیال کوٹ جھوٹ دغیرہ کی پہاڑ لوں میں گم ہو گئی تھی۔ ..... اب بھی کسی فعل ہونی صبح کو کو ٹلے سے شمال مغرب کی طرف دیکھا جائے تو دُور، افق پر کسی ڈاچی کا کوہاں سانظر آتا ہے۔ — دہی دشمنو دیوی کا پہاڑ ہے۔

تلہ کے نے آج جس جاتر نے ہر بان داس چوہدری کی دھرم شالہ میں چھوڑا

ن شکل سے بانہ تیرہ برس کی ہوگی۔ دیوبھی کے پاس تسلیپے اُپ کو جلانے کے لئے ترخول  
تما جس سے اس نہ بھیروں کا مرکاش کے الگ کر دیا۔ لیکن اسی مضموم جاتر نہ کہا س  
صرف در پیارے پیارے گلابی ہاتھ تھے جنہیں وہ بھیروں کے سامنے جوڑ سکتی تھی،  
اُن سے مدافعت نہ کر سکتی تھی۔ پھر بُرداں — جیسے تربوز کے گردے کا نباہوا  
جو مہربان کی چھری سے نبی نہ سکتا تھا۔ شاید اسی لئے اس دن کا سورج غفتے جیں لال  
انپے رہ کے گھوڑوں کو ادھر چھانا تھا، اُدھر پاک، اُدھر چھانا تھا، اُدھر چاک، اُدھر چاہوا  
سلئے خانقاہ والے کنزیں کے پاس، فارم کی سپاٹ کے ڈیچے ہمیں گم ہو گیا تھا اور اپر  
آسمان پر رادھن کے نازک سے چاند کو پھر ٹھنے، پیلا ہونے کے لئے چھوڑ گیا.....

وہرم خالی کے پاس بیٹھے دالوں کے مکان کو نبی ٹپ ہوئی تھی۔ سیاہیں  
کے پرے، دیواروں کے چہرے پر چھٹ پکے تھے۔ انہیں کا گیرفاوت دکھائی نہ دیتا  
تھا، البتہ ان کے نیچے کا چڑنا، اتنے اندر بھرے کے ہا جود، سلئے ہستا، منہ چڑھا تھا  
نکارہا تھا، پُر دایں کوٹلے کے سارے پھردا نہ، جامن اور بلکا ان سنوارے ہے تھے  
اور جوہر کے کنارے، با داہری دا س دلے نڈے پیلے کے گنڈھنے پتے ایک دیے ہشم  
سی آواز پرتال دے رہے تھے ..... جس رستے پر تلوہ کا جا رہا تھا وہ دل  
کے ایک ہی بازار اور بازار میں ایک ہی آئے دلے کی دکان کے سامنے سے  
ہو کر جاتا تھا جہاں آتفاق کی مات، ایک ہی عورت — جملہ ارا این، اپنی  
حکما ری دے گر، اس کے بدے گھبرے لے رہی تھی۔ اس کے پاس سے گزرتے  
ہوئے تلوہ کے آواز دی —

بیوں ہمیں — پھر کیا مرضی ہے؟"

کاڈک بھری، ایسے آواز دل کی عادی، غریب کی جود سب کی بھائی، جملہ نے  
تلوکے کی طرف مرد کے بھی نہ رکھا اور جھولی انانج سے بھرتی ہوئی بولی۔ ”جو تیری  
مال کی ہے، ہلو کا! ہلے بچے پیدا ہونے سے کسی نے نہ روکا؟“  
— اور ہلو کا ہفتا ہوا بھل گیا۔

مگر پہنچا تراں کے جڑاں بیٹھے ابھی تک بکان کے بچے، کرنے سے لکریں ڈال  
آپس میں، بان، ٹال، کھیل رہے تھے۔ ایک نے فلٹ ہی دوسرے کی کنگری لاری اور  
ہبھارت شروع ہو گئی۔ وہ بنا بچے بوجھے بڑوں کی ٹھیٹ زبان میں ایک دوسرے  
کر کا لیاں دیئے، بال رچنے لگے۔ باپ کی آہٹ پلتے، ہی وہ ایک دم اپنے لپنے اور دو  
کے قاعدے لئے، دیئے کی روشنی میں بیٹھ گئے۔ اُدھر باپ نے آواز دی۔  
”بڑھاوئے پڑھو۔“ اُدھر بڑے بچے نے پڑھنا شروع کیا۔ ”وہ درکبو، الورلا۔“  
تلوکے نے معاملہ فہمی کے انداز میں کہا: ”میں سب جانتا ہوں، حرامیو!“ جس پر  
چھوٹا زور دزد سے کہنے لگا: ”بک کپ مت کر، بک کپ مت کر۔..... اور  
ہلو کا اس سئی تعلیم کو ایک ناقابلِ علاج بیماری سمجھ کر شک گیا۔

ان جڑاں بچوں، بنتے اور سنتے ہے بڑی، پہلو نیٹ کی ایک رٹکی تھی جس کا  
نام تلوکے اور رانی نے ہمیشہ کی سہولت کے لئے بڑی ہی رکھ دیا تھا۔ وہ دن بھر  
کام کا ج میں ماں کا ہاتھ ٹیاتی اور جب کچھ نہ ہو تو سب سے چھوٹے سال بھر کے  
چھوٹوں کو کھلانے لگتی۔ ”دیر آیا۔ کھیل کے، میں متن پکا وال دیل کے۔.....  
وہ محلے کی دوسری لڑکیوں کے ساتھ گیند بھی کھیلتی جب بھی وہی بھیا اور وہی بھیا۔  
”کر رہے آتے گنا، دیر میرا لمان۔“ — جایلو میری پیلی، جہے نگ پھلی۔

اہلی ہی آس پاس کی چیزیں گتائے دیر بھائی، ناک کی چھلی، لندن اپل، تریلیں  
بیٹھیں..... اس کی کائنات ابھی بھیٹھ کے تصور تک ہی کوئی تھی لیکن ابھی سب  
کچھ ہیں ہیں ہیں تھے البتہ کھر میں ایک اور تھا جو تیزی سے بھجدار ہوا تھا۔ ڈری  
کا پاپا، تلوکے کا چھوڑا بھائی، رانو کا دیلہ ۔۔۔۔۔ ھل ۔۔۔۔۔ بے کار ایک دکار  
دن بھر سے بھیڑ، اُس بھیڑ پار بار اپنے تند کوکس ۔۔۔۔۔ کھراستا  
تو یون کھانا نام لگتا ہے سب اسی کی کمائی کا ہوا در بھائی رانی اندر سے خوش باہر  
سے غصے میں کھتی ۔۔۔۔۔ دیتی ہوں ششندھے!..... یتربے ہی لئے

تو سب پکا ہے:

ھل پانچ چھپریں کا پچھہ تھا جب تلوکار الو کو بھیٹھے، اس کے لمبیں گے  
لایا۔ رانی کے اباپ بے حد منقص تھے، شاید اسی لئے انہوں نے چھیڑوں میں  
پیٹھی ہوئی اپنی بیٹی کا نام رانی رکھ دیا تھا۔ جب وہ ڈری ہوئی، بھری تر رونی پکڑا  
کے دھرے پر اس کے اباپ نے اس کا ہاتھ تلوکے کے ہاتھ میں دے دیا اور  
خود عدم آباد کی طرف نکل گئے۔ رانو کو اس بات کا بڑا دکھ تھا کہ اس کا آسمان تو  
بیسا یسا بھی ہے لیکن پھیپا کوئی نہیں۔ کبھی تو ایسا وقت آ جاتا ہے جب ہر حرث  
گر کر پھیپے دیکھتی ہے اور جونہ دیکھ کے تو اسے آگے بھی نظر نہیں آتا۔۔۔۔۔  
رانی جب سے کوٹلے میں آئی تھی اسے ماں کے روپ میں ساس جنداں میں گئی اور  
باپ کی شکل میں سر خود نکھلے، اور دبور مغل، جو اتنا چھوڑا تھا کہ ڈری کے  
پیدا ہونے پر اس کے ساتھ دو دھپینے کے لئے بھل گیا۔ کچھ ہنستی، کچھ شرمائی ہوئی  
راز نے لکیلے میں جب اسے پاس بٹھا کر کرنے میں کھاتا تھا ای اوس کی طرف

بڑھانی تو وہ بجاگ نکلا..... بھل کو رانی ہی نے پالا مدنیا کی نظرؤں میں وہ اس کا دلیل تھا۔ لیکن رانی کی ٹکا ہوں میں، اس کا سب سے بڑا بچہ۔ ملکی بھی رانی کو انہی بھتھاتا تھا مذہب وہ سمجھی مان کوتائی بیوں کہتا؟ جب تو رانی اس کے کام بھی ایجاد نہیں تھی، دھول دھپر بھی کر لیتی لیکن اب پچھلے چند برسوں سے دنیا ہی بدل گئی تھی۔ نہ صرف بچے بڑے ہو گئے بلکہ بھل بھی آنکھیں دکھانے لگا، اور کاش راب پیسے اور جذاب رفایتی ساس کی شکل اختیار کرتے ہوئے باتیات پر کلٹے بیج۔ اس کی اصل وجہ تو یہ تھی کہ آمدن کے راستے مدد و مدد گئے تھے..... اور ہر قتل کا ہنسنے میں تین دن گھر میں ہی پڑا رہتا، اور حصہ نہ کھکھل کی آنکھوں میں موتیاں نہ اتر آیا اور وہ ہمیشہ چار پانی پر بیٹھا کاؤں سے دمجنے کی کوشش کرتا اور اس کی آنکھوں کے پورے صبح جو ہڑتیں نہ لئے دلے بکو تر دل کی طرح پھر پھر ڈلتے رہتے۔

بھی کے دن ایک روز شام کے قریب، تلوکے نے رالی کے پاس جا کر اپنے ارباب کرنے کی حیثیت میں سے ایک ٹاٹڑ نکالا اور اس سے رانی کی طرف بڑھ لئے ہوئے بولا۔ لے، ایک پیاز ڈال کے کاٹ دے اے۔

رانی جو ترکاری پکار ہی تھی، تمم گئی۔ ہاتھ کی کڑی بھی دیکھی میں ڈلتے ہوئے دہ اہٹ کھڑی ہو گئی، بولی — پھر آئے میری سوت کو؟

تلوکے نے جھینپتے ہوئے کہا — روز تھوڑے ہوتا ہے رانو!

”روز ہو یا نہ ہو“ رانی گڑاک کر بولی — میں نہ پہنچنے دوں گی۔ کہاں ہے تھاڑی پولی؟ آج میں دیکھ دوں، اس میں کیا ہے جو مجھ میں نہیں؟

تلوکا اسی بات سے ڈر رہا تھا کہ شور نہ پچے لیکن رانی نے دہی بات کی۔

دانٹ پیتے اور جھلکتے ہے تو کے نے ایک نامردانہ می کو شش کی: سُنْتَیْ  
کہنریئے ب..... میں تجھ سے بال کھینچ کر بات کر رہا ہوں اور تھے کہ چھوٹے  
ہی ہوا کے گھوٹے پر موار ہو گئی؟"

"اہ—— رانی بولی تبے نک گھوٹے پر تو ہی سوار ہو سکتا ہے  
دوسرانہیں؟..... آج میں اس بات کا فیصلہ کر کے رہوں گی۔ آج اس  
گھر میں یہ ہے گی یا میں رہوں گی؟"

اور رانی بوتی ڈھونڈھنے دوڑی۔ آنا فانا تلوکے کی آنکھ کا پانی مر گی۔  
اس نے جا گئی ہوئی رانی کو اس کے اڑتے ہوئے بالوں سے پکڑ لیا اور ایک ہی  
جگہ میں اس کا پڑھا کر دیا..... دئے کی لڑاکہ بار بھینٹ کے قریب میں  
اور پھر سیدھی ہو کر کلپنے لگی۔ بکان پر بیٹھے ہوئے تیزراٹ کے ڈبوٹ کے کھڑا  
ہو گیا اور پھر کھونڈنے لگتے ہوئے بخونکنے لگا۔ بڑی چھلانی — باہمی بچے  
انہیزرا ڈھونڈنے اور پھپنے لگے۔ ایک تو موقع پاکر گھر سے جاگ گیا اور دوسری  
ایک کونے میں جا لگا۔ دہشت کے عالم میں کا پتا ہوا وہ ماں کے بھلے ہاؤں  
اُن کہہ رہا تھا — حضور نکھل چاہی پسے پکا، فرما د کے سے انداز  
میں گالیاں دیتا ہوا: "اوئے پاپیا، اوئے پے شرم، اوئے پے جادا"....  
اور تصور پر گر کر جلس گیا.....

پہلے ہے میں رانی برا بر آئی۔ اس نے اپنی بیسی تلوکے کے ہاتھ میں کاڑی  
تلوکھنے اور غصب ناک ہو کر اسے بار بار دیواں کے ساتھ مارا اور دہ گالیاں  
دیں جو اس نے کبھی اپنے جانز کو بھی نہ دی ہوں گی —

“مارڈالا، ماں کو مارڈالا۔ بڑی چلاری تھی اور جب دادی باہر سے آئی تو  
بڑی کی شدوار گلبی ہو پکی تھی۔ جنہاں آتے ہی بولی — جانتی تھی .....  
میں جانتی تھی، ایک دن یہ چاند چڑھنے والی ہے ..... ہے! یہ پُری دا سوں  
کی اولاد — جلنے کہاں سے ہمارے گھر میں آگئی —؟”

“تو بچ میں مت بول۔ محل ماں سے کہہ اٹھا۔ وہ بیاں بیوی کی لڑائی میں  
کسی کا بھی آنا ناٹھیک نہ سمجھتا تھا اور خود ایک طرف کھڑا پتے آپ کو رکھنے اور  
بھانے کی پوری کوشش کر رہا تھا۔

“کیوں نہ بولوں؟” بڑھیا کیے جا رہی تھی؛ اپنی کمائی سے پتی ہے، اس کے  
باپ کیستے سے تو مانگنے نہیں جاتا؛ خود تو کھپ گیا، یہ بخل، چھوڑ گیا ہمارے  
لئے .....”

ماں کی شہ پاکر تلو کا اور بھی تند ہو گیا۔ اس نے رانی کے کپڑے بھاڑ دئے اور  
لے یوں کر دیا جیسے ابھی پیدا ہوئی ہو۔ وہ زور نہ درسے چلار ہاتھا۔ محل جا،  
محل جا میرے گھر سے:

رازیے دم سی ہو کر کہے جا رہی تھی: “میں نہیں رہوں گی، میں آپ نہیں رہوں  
گی۔ ..... سمجھی دیوار کے پاس کچھ اصنی سے چہرے اٹھے، اور کوئی پر کچھ عقد نہ  
کے ملئے سے نہیں — ” مارڈالا آڑ پو مارڈالا — ہائے نی کرنی  
بجاو، ہائے نی یہ راکھشش — ”

ایسی ہی آدازیں آدھی تھیں، بھی اور کل جاتھے کھڑی تھیں، نیچے  
آنے، رانو کو چھڑنے کی ہمت کسی کرنے پڑتی تھی۔ جب ہی کرتے کوئے ہوتی ہوئی جنم  
اراصل، اسی کی سیاں، پورن دئی برمہنی، قاب کی بیوی فائٹہ چزوں، دُریا، سرمه  
سب ہی پہنچ لیں گے لیکن ان سب میں صرف چزوں چلا رہی تھی۔ چھڑا دے، دے  
کری چھڑا دے:

• کم بردار جو کسی نے چھڑایا، رانو اور دیکھتے ہوئے چلائی۔ تم سب جاؤ۔ . . .  
جاو تم ..... کیا تم کون ہیں پڑتیں؟“ اور پھر لوٹی: آج جو ہونا ہے، ہو جلنے  
دو، ایک بار، ..... آج دیوی کے کرتے میں بڑا پین ہو گا۔ آج میں اس کے  
ہاتھوں مروں گی، سورگ کو جاؤں گی ..... آج میرے بچوں مجھے روئیں گے .....  
رانو خور توں کر بھگا رہی تھی، ملامگی رہی تھی۔

کہاں تو مغل ایک ضبط کے فالم میں سب کچھ دیکھ رہا تھا اور کہاں اب ایک کس کراس نے بڑے بھائی کا ہاتھ پکڑ لیا اور منٹی سی ماں کی ایک گانی دیتے ہوئے بولا "لا لا لا لا"۔ اب لا ہاتھ پنچے، کہ ایک عورت ہی پر ختم ہو گئی شہزادی؟.....ہل.....ہل اپ، اپنے باپ کا ہے تو؟" ملوکے نے مغل کی آہنی گرفت سے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی۔ کچھ بولنے مکنے لگا یکن مغل کی نکاہیں بیں قتل دیکھ کر فلموش ہو گیا۔ مغل نے اسی پر بس نہ کی۔ آگے بڑھ کر اس نے زور سے بول کو ٹھوک رکاری اور دہ نٹ کی۔ شراب کی ڈپلکی اور منڈپ پر گھر ڈی عورتیں، جھی جھی کرتی، ناک پر کپڑا رکھتی ہوئی چمچے ہٹ گئیں اور کچھ دیر کے بعد ملی گئیں۔ پھر ملوکے کو لوں محس ہوتے دیکھ کر مغل نے

خود ہی نے پھوڑ دیا۔ اور وہ —— تلوکا، بکتا جھکتا ہوا انہوں کو ٹھڑی کی طرف چل دیا۔ اب اس کی گالیوں میں تپڑنہیں بجز لئے تھے جو ہرے ہرے دامغیوں پر لگ رہے تھے۔ ان میں پہلی سی بے تخلیقی تھی۔ اب یہ معلوم ہوا تھا جیسے فراز بانے نہیں، اکسی کتاب پرے کچھ پڑھ کے شارہ ہے۔

رانو اندر جا کر ایک ٹھنکی میں کپڑے ڈالنے لگی۔ وہ جا رہی تھی۔ کہاں جا رہی تھی؟ یہ اسے بھی معلوم نہ تھا۔ وہ بس، جا رہی تھی..... بیٹھ کر دن کے بھی نہ ہو جگوان! ذرا بڑی ہوئی، ماں پانے سرال حکیل دیا۔ سرال والے ناراض ہوتے رائے کے لڑکا دیا۔ ہائے یہ کپڑے کی گیند، جب اپنے ہی آنزوں سے بھیگ جاتی ہی تو پھر رذاکنے جنگ بھی نہیں رہتی.....

کپڑے تھے ہی نہ کتنے؟ پل بھر میں ٹرنکی تیار ہو گئی اور پھر ایک دم رانو کو ٹھڑی سے باہر نکل آئی۔ خود روتی، دوسروں کو رلاتی ہوئی بولی۔ لوچی، سنجاد اپنا گھر۔ بہاں ایک میں ہی ہماں تھی نا، سو جا رہی ہوں۔ تم لے آنا کسی اندکو جو کرے مرے بھی اور تھاری گالیاں بھی نہیں۔ ماں بھی کھلتے اور ہر یاں بھی ترددتے۔ پھر رانو کو سامنے پہنچے نظر آگئے جنم اور رختے میں انہی ہر کر جنھیں وہ بھول ہی چکی تھی —— ”بچے؟..... دھوکہ ہوں اکٹھی۔ میں بھوون گی پیدا ہی نہیں ہوتے۔ بھوون گی مر گئے.....“

”بڑی نے یا اس آگر دوپے کا پلو تھاتے ہوئے کہا۔ —— ”ماں!“ رانو نے ایک دم جھکے سے پلو کو چھپڑا لیا اور بولی۔ تپرے ہٹ مُردیتے! ایک دن تیرا بھی سی حال ہو گا.....“

اوندوہ باہر کی بہت ہی وسیع و عریض دنیا کی طرف چل دی۔ اندھیرے کے لان آسمان کے تاروں کے سوا اسے کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اُدھر ایک ایک تارہ اپنی زمین بٹنا بڑا تھا اور کئی زمین سے بھی بڑے..... جو سامنے کھڑے آنکھیں جھپک رہتے تھے۔ بیچ میں کالی پرلی آجائے کی وجہ سے دوچ کا چاند دوچانک ہو چکا تھا.....

منگل نے بھاگتے ہوئے زانو کا بازو تحام لیا اور بولا: بھائی! کہاں جلنے گی؟ اور پھر دہشت کے عالم میں تیکھے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا: اسے روکو تائی۔ جذاب احمد جھکتے ہوئے بولی: جلنے کی کہاں بی۔ آگاہ نہ سمجھا۔ حضور شگرد چلا کیا: دھیئے ارا نیئے! اور پھر اندازے ہی سے اس کی طرف لپکتے ہوئے، پاس پہنچتے ہوئے اپنی پیچھوپر سے کرتا اٹھایا اور وہ چھالے جو تنور پر گزر جلس بلنے کی وجہ سے پڑ گئے تھے دکھاتے ہوئے بولا: بیرا پنڈا تو دیکھو پہنچا۔

زانو اب پڑی۔ منہ پر دو پڑے لیتے ہوئے بولی: بالو! جب تک تم کے کانشہ بھی ہرن ہو گیا تھا۔ ایک تیسم لاوارث کی طرح وہ اندر سے اگر در داڑے میں کھڑا ہو گیا اور اکھڑی سی اداز میں بولا۔ جا..... جانے، دیکھتا ہوں کہاں باتی ہے؟

”کہیں بھی جاؤں، بجھے اس سے کیا؟“ رانی روئے ہوئے بولی: چہاں بھی جاؤں گی، محنت مجرمی کر لوں گی، اپنا پیٹ بھر لوں گی..... دو روٹیوں سے کئے ہنگی نہیں کسی کو۔ جاؤں بھر میں کوئی جگہ نہیں میرے لئے، دھرم شاہ

تھے....."

دھرم شالہ سلوکا پونک اٹھا..... ایک دم کے بڑھتے ہوئے اس نے  
رانی کی ڈنگلی کپڑلی اور بولائی چل — مریجھے:  
یہ چھپے؟ — آگے؟ ..... رانی خوددار رانی بہت کچھ چھینی  
چھٹی لیکن تلوکے کی طرح اب اس کی بازوں میں بھی کوئی دم نہ رہ گیا تھا۔ وہ کوئی  
بہانہ ہی چاہتی تھی جس سے وہ بھی رہ جائے اور عزت بھی — اور اب  
جانے کا فائدہ بھی کیا تھا؟ — بوتل تو ٹوٹ ہی چکی تھی!

## ۲

حضور شگرد کے جلتے ہوئے پدن پر رال لگا کر رانو روٹ آئی۔ تلوکا مانگیں چلائے  
پڑا کچھ سوچ رہا تھا۔ سونے سے پہلے خفا ایک بار روایا لیکن ماں کے چھاتی منہ میں  
دینے کے بعد وہ غاموش ہو گیا۔ تلوک کے دماغ میں آج کے ہنگامے کی بجائے  
وہ جاتر نگہنسی ہوئی تھی، اور رات بھر نگہنسی رہی۔ اندھیرے میں وہ خود مہربان اس  
تھا اور رانو جاتر۔ تلوک نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو رانے جھنک دیا۔  
“ہی بچی! — باکل بچی! ” تلوک کے نے کچھ کھسپا نہ ہو کر کہا۔ تو تو  
باکل ایک بارہ تیرہ برس کی بچی کی طرح کرتی ہے۔ دیسے ہی دولتی جھاڑنے لگتی  
ہے.....”

پھر تلوک امنت سماجت پر آتی آیا۔ وہ بھی ان مردوں میں سے تھا۔ اور صرا  
ہوتے ہی جن کی ساری اکڑ جاتی رہتی ہے۔ پھر اس نے اُنہوں کو شیو جی کی تفسیز بخالی  
جس میں وہ پاروتوں کی پاس بٹھلتے ہوئے تھے اور سر کی جٹاؤں میں سے گنگا پہ  
رہی تھی۔ رانو کے پاس تصور برکھ کر تلوک کے نے شیووں کا داسطہ دیا۔ پاروتوں کے  
امر پیار کی باتیں کہیں لیکن رانو اپنی بلگے سے نہ ہلی۔ پھر اس نے رادھے کرشن کی تصور

پوکھنے میں سے نکال لی..... وہ چوکھے بیمت بھی لاسکتا تھا۔ لیکن وہ تھریڑ کروکھنے میں سے نکالے دے رہا تھا، جیسے وہ پئے ہوئے ہو یا ایسے ہی اس کے دماغ میں کوئی فاسد مادہ آزگیا ہو۔ پچھے دیر بعد چوکھے ہی چوکھے رہ گئے تصوریں بیجے  
سے غائب ہو گئیں۔

رازو صبح اٹھی تو اس کا حصہ عضو درد کر رہا تھا۔ وہ اٹھانا چاہتی تھی لیکن مگر کاسارا کام کا ج پڑا تھا۔ شام کو کسی نے کچھہ کھایا تھا، اس لئے روٹی کی بھی جلدی تھی، پھر گھوڑے کے لئے دانہ بھجو نہ، اس کا ساز نکانہ نکالا تھا۔ ملوکا ہمیشہ کی طرح ادھر ہو اپڑا تھا۔ آنکھیں بھی آدمی کھلی، آدمی بند، منہ پورا کھلا ہوا..... راؤ اس کے پاس سے اندر کر دینے کے پاس گئی اور اس سے ہاتھ میں لے پھر تلوکے کے پاس پلی آئی — اسی جذبے سے جس سے انسان مرے ہوئے ساپ کو دیکھنے کے لئے بوٹ آتی ہے۔

جب ملوکا اٹھا تو راؤ گھر کا آدھا کام کر رہی تھی۔ اسے دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کہ شام کچھہ ہوا ہی نہیں۔ اس کے ہاتھوں سے سازیتیہ ہوئے تلوکے کے ماتھے پر پھر سے یوری چڑھ گئی۔ اسے دیکھنے پر بھی یہی معلوم ہوتا تھا جیسے کچھہ ہوا ہی نہیں۔ رات اس نے معاشریں مانگی تھیں، زکان پکڑے لئے اور نہ ناک سے زین پر لکیر پہنچنے تھیں۔ یوں بھی سوچ کی گردنگ کے ساتھ ہی اس کی مردانہ اکڑ لوٹ آئی تھی۔ ساز کے تھامنے ہی، اس کے گنگروں پھن چکن کر اٹھے۔ گھوڑی کی پردیں والی کلمی میں ہوا کی ایک لہر در ڈگئی اور تلوکا بولا: یہ نہ کہنا میں تھے ڈر گیا ہوں۔"

"میں کب کہتی ہوں؟" رانے مانے ہوئے کہا۔

تلکا اس پر بھی چُپ نہ ہوا — عورتوں سے وہ ڈرتے ہیں جو امرد ہوتے ہیں..... آج جب پھر لاڑنے کا منٹے مالٹے کی بوتل، دیکھوں گا تو کیسے روکتی ہے؟"

رانی کچھ نہ بولی..... البتہ دل ہی دل میں اس نے سوچا۔ آج یہ لایا شئے مالٹے کی بوتل، تو میں گلے کی ہو لدمی چیزوں گی۔ بارہ منگے کا پورا بینگ پیٹ میں گھونپ ہوں گی؛ کتنے کی گولی کھا مردوں گی جواز، دن بُوڑی نے کھائی تھی۔ ..... پھر کہیں بھی دبوکی طرح ایک نظر مجھے دیکھ کے چھوڑ دے گا؟ ایک آدھہ عاد تر مارے گا ہی۔ میرے نہیں تو اپنے بچوں کی غاطر..... نہیں نہیں..... کسی کا کیا جائے گا؟ — رجلے گی ماں باپ کی بیٹی۔ پر ماں باپ ہیں ہیں؟..... آکا نہ پھیپا۔..... میں نہیں مردیں گی۔ ساس خوش ہو گی کہے گی سستے ہی میں جان چھوڑی۔.....

جب ہی مشکل اپنے ابیلے پن میں پاس سے گزر گیا۔ بھائی کے یاس پہنچا تو دونوں معاشرت کی نظر سے ایک دوسرے کو دیکھنے، اغتنے لگئے۔

"تیار ہو گیا ہے پھیا۔" تلوکے نے کہا اور خود ہی دم دبا کر اندر رہا گا۔

مشکل نے کوئی جواب نہ دیا اور باہر نکل گیا۔ بڑی، ماں باپ کو ایک "سرے" کے قریب آتے دیکھ کر صحن کی طرف شک گئی اور چھوٹے بھائیوں کو مدھے کے لئے تیار کرنے لگی۔ دوسری کھڑڑی میں رات بھر کر آتا، جاگتا ہوا حضور نگاہیں

پھلے پھر سو گیا تھا جنداں دبی زبان میں جپ جی کا پائٹکر ہی تھی۔

چھ دیر کے بعد آسواریوں بیت گئے سامنے کھڑا تھا اور رانو ہمیشہ کی طرح پار موٹی مری ٹوٹاں ایک بیلے، روغن میں لیے ہوئے کپڑے میں پیٹ کر تو کے کر دے رہی تھی۔ رانو نے ایک نظر آگے کی طرف دیکھا جہاں بارہ تیزہ برس کی ایک رڑکی کچھ ہوش اور کچبے ہوشی کے عالم میں بھی تھی اور چودھری مہرپاں داس کے مکان سے تھے ہوئے تھے اور غہرے جا رہے تھے۔ رانو نے حیرانی سے پوچھا—  
”کون ہے؟..... کیا ہوا اے؟“

”مرگی!“ تلو کے نے جواب دیا۔ وہ گھوڑے کی بیڈ کا بطل لگا رہا تھا۔

”رانو نے ناک پرانگلی رکھتے ہوئے کہا: مرگی؟“

”ہاں تلو کا بولا: مرگی۔ جو ہر عورت کو پڑتی ہے..... رات تکھے بھی توڑی تھی..... اور جس کا علاج جوتا ہے۔ اور پھر اندر طاق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا: یادہ چھاٹا جو میں آج دوٹ کر تھوڑ پر توڑوں گا۔ بل ہی تھوڑے اس پر شام چڑھائی ہے۔“

رانو کی ڈانگیں کاپنے لگیں۔ تلو کے کے جاتے، نظروں سے غائب ہوتے ہی اس نے پہلا کام یہ کیا کہ جھانٹ کو طاق پر سے اٹھا کر اندر ہندڑا سے میں کے گئی اور اسے بھر دل میں گیہوں کے نیچے، بہت نیچے کر کے چھپا دیا۔ الجھی دوپہر بھی نہیں ہر باری تھی کہ سامنے، شاملات کی طرف سے کچھ آدمی

دوڑتے ہوئے آئے جن میں نواب اور اسماعیل، اگے دلے بھی تھے۔ گیان چند پورن دلی کے شوہر اور دیوانا، چکنی کے مالک کے پاس پہنچتے ہوئے نواب نے کہا: اونے پنڈتا! سنا آئے؟..... اور پھر اپنا منہ پنڈت کے کان کے پاس کر کے کچھ کہا اور پھر سب مل کر چہ میگویاں کرنے، تلوکے کے گھر کی طرف دیکھنے لگے..... جب ہی جلیم کا داماد، مراد بخش دکان پرے ایک ہاتھ میں ترازو اور دوسروے میں دوسری پکڑتے ہوئے آیا اور شاہی — جاٹ کو خانقاہ ولے کنوں میں پر جانے والے سب کے لئے پکڑتے ہوئے آیا اور شاہی کے قریب ہوتے ہیں کچھ کہا اور آخر دہ بھی دوسروں کے ساتھ مل کر تلوکے کے گھر کی طرف دیکھنے لگے ..... رانی، در داڑے میں کھڑا ہی ان سب کے دیکھنے کو دیکھنے لگی .....

چنوں جو رانو سے رات کی صلح کے بارے میں پوچھنے آئی تھی اسے جھنجور دی تھی: " بتا، بتا پھر کیا ہوا؟"

رانی نے اس کی توجہ سامنے ہرنے والی سرگوشیوں کی طرف دلائی اور بولی ہے نی — آج ان مردوں کو ہرا کیا ہے؟ ..... سب کے سب اسی طرف دیکھ رہے ہیں....."

" ہا! " چنوں نے دیکھنے ہوئے کہا: " جانتی ہے کیوں؟ "

" یکوں؟ "

رأت مارکھا کے ہڈیاں تڑا اسکے تو اور بھی نکھر گئی نا۔" " زندگی ہے — کھسک کھلینے ہا! " رانی نے چنوں کو چوٹی سے پکڑتے کھینچتے ہوئے کہا — اور پھر دنوں ایک دوسرے کے کوھوں میں چھپے دیئے،

سکاریاں ارنے لگیں۔

رانو کی خوشی کی انہیاں رہی جب اس نے چودھری مہربان داس، اس کے بھائی گھنٹام کو سمجھ کر دیاں گے بازار میں سے گزرتے ہوئے دیکھا لیکن..... ساہنہ اٹھا رہا بیس برس کا ایک زوجان رڑ کا بھی تھا جس کے کپڑے خون سے تربت رہتے۔ اس کے مت، سر ہر جگہ پر خون ہی خون دکھائی دے رہا تھا اور وہ کچھ ہوش، کچھ بے ہوشی کے مالم میں حوالدار جہان خان اور فرد از تارائیں کے سہارے کے بڑھ رہا تھا۔ مہربان داس کا رنگ ایک دم پایا ہو جانے سے اس کے کاؤن میں پڑی نیتاں چکنے لگی تھیں۔ گھنٹام کے مانچے پر بڑے بڑے نیل دکھائی دے رہے تھے اور صافہ یوں گلے میں پڑا تھا بیسے اسے پانی حصے کی فرمت ہی نہ ملی ہوا اور بیا پھر لڑائی ہجکرے میں کھل چکا ہو۔

”شکر ہے“ رانو بولی ”میں تو آج گڑ بانڈوں گی چنی!..... ہر کسی کے پینے کی بجلی یہ آج سرکار کے جزوی پینے ہیں“  
 چوں نے کوئی جواب بھی نہ دیا تھا کہ رانو نے ناچھتے اور تالیاں بجاتے تھے کہا ”میں تو آج ناجوں گی، گردا ڈالوں گی“ اور پھر در داڑے ہی میں سے مندر کے کھلی کھلی طرف دیکھتے۔ اس کی طرف ہاتھ جوڑتے ہوئے وہ بول اٹھی ”..... شکر ہے دیلوی ماں..... آج ترنے سُن لی میری ..... آج کا دن تو دھیسہ ہو گیا یہ رے نئے .....“

---

لہ پنجابی ہور توں کا ناج جس میں تالی کو بہت دفل ہوتا ہے۔

جب ہی تلوکے کا دکھائی دیا لیکن اسے گرد واس پلارہتا تھا..... ہلے نیا  
راز نے جزو سے کہا اور پھر اسی طرف دیکھنے لگی۔

لئے کے اندر کوئی بیٹا ہوا تھا۔ راز نے سوچا — شاید اس مرگی والی رٹکی  
کر کچھ ہو گیا؟ پھر سب مواریاں مل کر اس رٹکی کو آتا نے لگیں۔ جب اسے پاس کئے  
اس کے منہ پر سے کپڑا ہٹایا گیا تو راز ایک دم پلاٹی — ”نهیں“..... اور  
پھر اندر کی طرف بجاگ گئی اور جزو صراحتی پیشے ہوئے اپنے گھر کی طرف —  
— تلو کا قتل ہو گیا تھا!..... خانقاہ دلے چاہ کے قریب اس  
زوجان باڑن کے بڑے بھائی نے اسے کپڑا یا تھا اور اس کی شرگی میں رانت  
گاڑھئے..... اور اس دقت چھپڑا جب اس کے بدن میں خون کا ایک بھی بھین  
قطہ نہ رہا.....

جس دفت لوگوں نے اسے کپڑا دہ زوجان وحشت کے عالم میں آنکھیں پھیلانے  
دوں ہاتھوں کو اور الٹھئے، منڈ کے کلس کی طرف دیکھتا ہوا، ایک سذھی فیض غلب  
ایک حزو کے عالم میں پلارہتا تھا — تیرے نست — ہے دیوی ماں!  
تیرے نست ..... اور دوگ لے ائمہ دھاڑتے ہوئے لے جا رہے تھے،  
اور وہ ایک بلند آواز میں دیوی ماں کی جھیٹیں گارہتا تھا —

ماتا رانی دے دربار جوتاں جگداں

میا رانی دے دربار جوتاں جگداں

— اتا رانی کے دربار میں جوتیں جل رہی ہیں! میا رانی کے دربار جوتیں  
جل رہی ہیں!..... اور ان جو تلوں کی چک اس کی پھیلتی، کا پنج ہوتی ہیں آنکھوں

میں چلی آئی تھی۔ بیخ میں اس کا رنگ ایکا ایکی پیلا پڑ جاتا اور پھر ایک دم لال، کیسری ہوا اٹھتا۔ جب ہی ہر لمحہ پڑھتے ہوئے لوگوں کے ہجوم کے ساتھ وہ مندر کے پامنے پہنچ گیا۔ پھر اس نے کوڈ کوڈ کے، اچھل اچھل کے، پک پک کے گانا اشروع کر دیا۔

ہے میا! تیس بستے بھیناں گوریاں  
سر لال پھلاں دیاں جوڑیاں

میا رانی دے دربار —— جوتاں جگدیاں

ملے میا! تم ساتوں بھنیں گوری ہو۔ تھا بے سر پر لال پھولوں کی جوڑی ہے..... اور وہ اپنے خون میں بے ہوئے کپڑوں کو بخوبی بخوبی کر لہوپنے سر پر کل رہا تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا یہی دلوی کی ردیج اس میں چلی آئی ہے اور ایک انتقامی جذبے سے اپناروپ کر دیا اور انہم میں اگر صحور کرنے، بھیروں یا تلوں کے طرف دیکھدہ رہی ہے.....

پھر وہ ڈنڈوٹ کے انداز میں مندر کے در داز سے پر لیٹ گیا۔ پھر انہوں کھڑا ہوا..... لوگ ڈرسے کا نپتے ہوئے اسے چھوڑ کر الگ رہ گئے۔ دہچا ہتا تو اسی جنون کے عالم میں چلا تا، بھینیں سکاتا ہوا کہیں بھی نکل جاتا۔ لیکن کچھ دیر بعد اس نے خود ہی اپنے آپ کو نمبردار تارانگوں کے حوالے کر دیا..... یہ بھی اس کے جنون ہی کا ایک حصہ تھا۔

آس پاس کے پندرہ بیس گاؤں نئی نئی میں آگئے۔ کٹلے بھرمی کہرم بھی گیا۔ بے موئے بادلوں نے سورج کی آب دتا بکم کر دی اور وقت سے بہت پہلے انہیں چھا گیا۔ دلنشز دیوی مندر کے لکن تلوں کے ٹھرمی جوانہ کرنے لگے۔ بکانے نے پیاں

سیکھ لیں اور ڈپنے فرستے، بھرنکنے کی بجائے اپنی دم ٹائگوں میں سکیرڈی۔

سب تک رانی پاگل ہرگئی ہے۔ رانی پاگل ہو گئی تھی اور نہیں بھی۔ بڑی دیوار کے ساتھ کھڑی پہلے ہی جمیخ پکار کر رہی تھی اس پر رانی نے اس کے پاس جا کر سر پر ایک ددھنڑ جڑ دیا اور بولی: "سب پر گردشے پڑتے ہیں، سب کو سیتلہ سلطنتی ہے، سب مرتی ہیں، ایک تو نہیں مرتی....." دیلے نے یعنی میں اگر بڑی کو چھپ دیا اس غریب کا کیا قصر تھا؟ قصور کیوں نہیں؟ کیوں وہ ایسے باپ کے گرد پیدا ہوئی تھی جو اس کا رہن چھڑائے بغیر ہی چلتا بنا..... پھر جو کھٹ پر کھڑا

لاؤ کو ایک پل کئے جیا آیا — روئے، روئے گشتبہ؟ نہیں تو جانہ  
تجھ پر ہنسے گا — ہنسے گا! ” لیکن رونا تھا جو کسی طور نہیں آ رہا تھا۔ ایکا ایکی  
رازو کو اپنے پچے کسی کے پچے معلوم ہونے لگے۔ اپنا مگر، کسی کا تھر..... وہ  
پھر اندر گئی تاکہ پیاز ہی کوٹ کراس کا پانی آنکھوں میں ڈال لے اور روئے۔۔۔  
روئے! ..... آخراں کی مفردات نہ پڑی — سامنے رکابی میں  
وہ ٹھاٹ پڑا تھا جو تلو کارات مٹھے مالٹے کے ساتھ کملنے کے لئے لا یا تھا۔

— اب رانی کے بندھ ٹوٹے۔ وہ روہی تھی، جین کر رہی تھی۔۔۔  
اور سو روہہ شردار ہی تھی اور گاؤں بھر کی عورتیں زار زار روٹی مہدی  
لے رہی تھیں۔۔۔۔۔۔۔۔ رانی کے ہینوں نے ساتوں آسازیں میں چھید  
کر دئے بھخل پلا اٹھا — ” ماں! ” اور پھر دلواروں کے ساتھ اپنا سر  
پھوڑنے لگا۔ رانی چلا رہی تھی — ” رانی بندی بیئے! تیرا پچھا نہ آگا.....  
ہائے زندگی بیئے! تیری فکل تو اپ بآجاري میٹنے والی بھی نہیں، اب تو تو پیشہ کرنے  
جو گی بھی نہیں ..... ”

## ۳

چورھی ہر ان داس، اس کے بجائی گھنٹام اندبادا ہری داس —  
 سب کو سات سال قید سخت کی سزا ہو گئی تھی۔ ساتھ جاتری کے پڑے بجائی  
 اس لڑکے کو لمبی اتنی ہی، یکوں کہ لوگ مقتول کی لاش کو نبڑار تار اسکھ اور حوالا  
 جہان غاں کے پہنچنے سے پہلے، مرقع پرسے لے جائے تھے، اور دکیل صفائی  
 قائل کے سلسلے میں ناگہان اشتعال ثابت کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے لیکن  
 با دا ہری داس کو اتنی لمبی سزا کیوں؟..... اسے اس لئے کامیکا  
 لوہے کا لٹکوٹ بو بیدہ سے کپڑے کا نکل آیا تھا۔

با دا ہری داس کو ایسی عبرت ناک سزا سن کر، کوٹلے کی سب عورتیں چپ  
 ایک دوسری کے سر پر کچھ ڈھونڈ دھونڈنے لگیں۔ پکڑا گئی تو پورن دئی رامہنی جو بہت  
 سے زیادہ باتیں کرنے کی عادی تھی اور جس کے منہ سے ایکا ایکی ہاں نکل آئی تھی  
 اور انگھوں سے آنسو ..... لوگ کہتے تھے جب تک گاؤں پر مندر کی چیز  
 پھایا ہے اور دیا دھرم دائے لوگ، جو ہڑکے کنائے اڑ کر آجیخنے دائے کبوتر دیں  
 کردا نہ دُل کاڑا لئے ہی کوٹلے میں کوئی باپ نہیں ہو سکا۔ ہر کا بھی نزاں کی پڑی

مزالے گی جیسی کہ بھرول کو ملی تھی۔

چودھروں کی حوصلی، جائیداد، زمین وغیرہ سب مقدمے میں گئے۔ دھرم شال پنجاہیت کے عمل میں چلی آئی۔ اس سانحہ کے بعد لوگ بتتے چوکتے ہو گئے کہ ان میں سے کسی کی بھی ہمت خورت کو سامنے نہیں کیجئے کی زبردستی البتہ گاؤں کی کمی گاہیں جب اپنی متی میں نکل جاتیں تو سب انہیں پہنچے کی طرف سے جلتے ہیں دیکھتے اور نظروں سے ان کے اٹھتے، اگر تھے کوئوں کے ساتھ تال دیتے اور کچھ دیر میں تال تک دیتے کی ہمت نہ رہتی۔

حضور علّم کی ہڈیوں تک میں پانی پڑا گیا تھا۔ وہ چار پانی پڑھیا، بڑھیا کی گاہیں سنایا۔ جنداں اسے ایک دن روپیٹنے کی منتظر تھی۔ کوئی زنا نہ تھا جب حضور علّم نے اس خورت کو راجع کرایا تھا۔ بڑے بڑے ٹھہروں کے چڑیا گھر اور تو تا محل دکھل رہے تھے لیکن اب وہ بے کار بیٹے یا رومند گھار، گھر میں پڑا گزخا صاحب کے نوبی محل کے شبد گلنا یا کرتا جو دنیا کی بے بنا تک تفیر میں مجھے تھے اور حضور علّم کو ایک عجیب طرع کا حوصلہ اور ہمت دیتے تھے۔ جنداں رات دن کے چوبیس گھنٹے چکا کرتی۔ رانی کو تو دیکھتے ہی بڑھیا کے بدن کے سارے سماں کھڑے ہو جلتے اور وہ رانی پر اپنی گاہیوں کے چھا جوں کے چھاج خالی کر دیتی۔ — "زندگی ہے! ڈالتے ہی چڑیلے! ..... میرے بیٹے کو کہا گئی اور اب ہم سب کو کھلنے کے لئے منہ پھاڑے ہیں ہے؟..... چلی جا ..... جدھرنے کرنے ہے کرے اب اس گھر میں کوئی جگہ نہیں تیرے لئے۔" رانی ایک پل کے لئے بھی وہاں نہ رہتی لیکن — پانی من، جو ایک

جلے کی طرح بچوں کے ساتھ پٹا ہوا تھا، اسے کچھ بھی نہ کرنے دیتا۔ جتنا جنگل اتھے  
گھر سے نکلنے کی کوشش کرتی آتی ہی را تو اس کے پاؤں پکراتی۔ نندگی میں یہیں  
ایکا ایکی بے قیمت ہو جانے سے وہ یتیزی سے ڈھلنے لگی۔ جو چیزیں اس کے بدن  
میں کم ہو رہی تھیں وہی بڑی کے جسم میں بڑھنے لگیں۔ وہ پر چل — جمل  
کے بچوں کی طرح اور پہنچے، داییں، بائیں، سب طرف بے تحاشا کھلنے لگی۔ بھی اس  
بچوں کی ایک پتی گربھی جاتی تو اس کی جگہ داد نہ کل آئیں۔ اپنے آپ سے بے خبر  
وہ اچھلی کو دتی، چاندنی رات میں رہ کوں کے ساتھ کھلے نہ کھل آتی۔ دیر سے گھر لوٹنے  
پر دھان کی طرح پٹک دی جاتی، لیکن اس پر جیسے کوئی اثر ہی نہ ہوتا۔ کچھ غربی  
کی دبیر سے اور کچھ بمان بوجھ کر رانو اسے پھٹے پرانے، تیل اور باندھ میں رہے بے  
ہرے کپڑوں میں رکھتی۔ بال بناۓ کی جملے کے سمجھ دیتی تاکہ اس پر کسی کی نظر نہ پڑے  
بڑی گردی چھٹتی اور پُرپُر کے الفاظ میں اس پر کسی رینج ٹھک کی اولاد ہونے کا شہر  
پڑتا تھا۔ جب کوئی میںی نظر سے بڑی کی طرف دیکھتا تو رانو مرنے لئے پر تیار  
ہو جاتی اور پھر سب باتوں سے پنٹ کر پکارہ اٹھتی۔

گورا زنگ نہ دریں دے رہا

سارا پنڈ دیر پے گیا

گورا زنگ نہ دیکھ پڑاتا! سارا گاؤں پیری ہو گیا..... رانو  
جنما بڑی کوچھ پلنے کی کوشش کرتی آتی ہی اس کا جو بن ان میںے اور پو بیدہ کپڑوں  
میں سے پھٹ کر سامنے چلا آتا۔ وہ اس معصوم اور متین پر بچے کی طرح تھا جو باجے کی

اُندھستے ہی بے اختیار کھڑکی میں آکر رہا ہوتا ہے۔ بڑی کویوں انجان اندھے خود لکھ کر راز  
پر بلا دیتی اور کہہ اٹھتی ۔۔۔۔ اس بے یاب کی بیٹی کا انت براہے جس دن کسی  
دشمن کی اس پر نظر پڑ گئی یہ کہیں کی نہ رہے گی ۔۔۔۔ اور اسے ڈر کے راؤ کا لپنے  
لگتی۔ اسے بیلان کی بیماری مگری اور بدن کی چربی یوں گھلنے لگی جیسے تھے تو ہے پر  
کعن کی ڈلی گھلنے پکھلنے لگتی ہے۔

راز کے حساب سے بڑی دن بدن اپنی تقدیر کی تائیخ کے نزدیک پہنچ رہی  
تھی۔ پچھلے ماہ کی منگرات سے راؤ کو بڑی کے نہلنے، کا حساب رکھنا پڑ رہا تھا  
کہیں دو دن بھی اور ہو جلتے تو رانو اس سے محیب طرح کے اُٹے سیدھے موال  
پوچھنے لگتی۔ تیسرے پھر کوئی تو کہاں تھی؟ پھر ایشراں کے ہال سے کہاں گئی؟ مندرجہ  
میں کون کون تھا؟ کیوں تو پردہتے گے گور و منستر لینے بیجھ گئی؟ جاناتی بھی ہے۔ یہ مندرجہ  
کہاں پہنچ لے گا؛ جھول گئی باواہری داس کو۔۔۔۔۔۔؟ "پھر وہ اختیار کھڑ  
میں کاڑھا لارکھتی ۔۔۔۔۔۔ جھوٹ اور کفر کو ابال چنکیتے کے لئے ۔۔۔۔۔۔ جب کہیں  
وھڑکتے پھر کرنے ہوئے انتظار کے بعد اس بلوغ کے بوٹے یہ کوئی نیا گل اور  
رکھل اٹھتا تو رانی کی جان میں جان آتی اور بڑی کو جلدی جلدی گھر سے لکال دینے  
کی سوچ میں لگ جاتی۔ لیکن گھر میں تو میں کو طریاں نہ تھیں اسے رخصت کرنے،  
اپنے گھر زیجع دینے کے لئے ۔۔۔۔۔۔ پھر رانو سوچتی ۔۔۔۔۔۔ وہ خود بھی تو روئی  
کپڑے کے دعے پر چلی آئی تھی لیکن ۔۔۔۔۔۔ پاپی پر مانلنے جب اس کی  
بچی کو زندگی کی سسراں میں بھجا تو روئی کپڑے کا بھی دعہ نہ کیا! ۔۔۔۔۔۔  
حکاؤں کے نوجوان ارشکے، ہر دوسرے تیسرے شام ڈسکے جا کر سینما دیکھنے والے

حای، بہن اور خودت میں بھی تیز کرنے کے قابل نہ رہے تھا اتنا تو انہیں بھنا پڑیئے تا  
کوٹلے کی سب لڑکیاں ان کی بہنسی ہیں اور خود تمیہائیں ..... اس پر بھی رانوان  
بیسے کسی کے ہاتھ میں بڑی کا ہاتھ سے دیتی اور خدا اس سامنے حاصل کتاب، اس  
ذمے پھٹی پالیتی۔ لیکن وہ لختے، بد معاشر، سب کے سب ہرگز دین کے باعث میں  
سے بھٹکتے توڑتے، پچھ کہا، کپڑہ چینیک کر بھاگ اٹھنے والوں میں سے لختے۔ ان کی  
رکھوائی کرنے والا کوئی نہ تھا..... جلنے بڑی کی قسمت میں دیر و دال تھا یا ڈسکر  
پڑھا گزو را پایا جائی ————— یادوں لا ہو، پشاور ————— ؟ رانی بھٹی سونے کے  
گزوں سے جرا یمود کے فلٹے ناپتی اور پھر ایک عجیب عمل سے کمیخ کھنپا کر انہیں  
سکبیرتی، پھوٹاکر لستی ————— اس پر بھی اسے جھر جھریاں آئیں بڑی کی مدد  
سے وہ اس کے دیسی کا کشیدہ کا رصی ہونی لگانے لگتی۔

بسناں سا ہوئے پلنا، بھوکھ مکلا دن ہار

— ایک دن سب کو اپنی سرال پلی دینا ہے۔ ایک دن سب کا گونا ہو گا۔  
لیکن اس کا اپنا گزما؟ ..... اس کی اپنی سرال؟ — جواب ایک ہو چکی تھی .....  
ولاغ اور کشیدے کی اسی ادھیرن میں رانی بھی بھول جاتی ہے گیت زندگی کاہنسی موت کا تھا!  
..... پھر بھی پانے آپ، ایکا ایک رانی کی صحت ٹھیک ہونے لگتی۔ ہر کوئی  
یہ ایک عجیب طرح کا تناول پیدا ہو جاتا جو اس کے داعی تک کی طنابیں کمیخ ڈالتا  
اور رانی کا من سرال جانے کے لئے تریپنے لگتا۔ رانی جب سے کوٹلے میں آئی  
تھی تلوکے نے اسے سرال کے بلے میں سوچنے کا موقع ہی نہ ریا تھا۔  
سرال نام ہوتا ہے سات پر دوں میں پیٹی لپٹائی آئے دالی دلہن کا اس کے

سماں کے لئے گھر کی چوکھت پر پرسوں کا تیل گز لئے کا، چیپے باجوں، اُنکے نظروں کے  
ٹھیمے کا، ساس کے چاؤ کا، سسر کے لمبار کا، ٹھانی مکھیلے، برتن پہلنے کا، منہ دھکلنی  
اور پھر لات مو تیا ایکر نے کے پھولوں کا، اُن کی روشنی ہیں ہمٹنے اور پھر کھل جانے کا، ایک  
بہیت کے ساتھ ساٹھ ایک احتواه ما دریت کا — لیکن تلو کا جہاں اسے  
ہر روز دلتا، رو نہ تا ہوا لے جائیا تھا وہ تو سرال نہ تھی میں ہیں ہر لڑکی شادی کے  
بعد جانا چاہتی ہے۔ ہر عورت بیام کے پرسوں بعد بھی جانا چاہتی ہے.....  
رازو ایکا انکی سرال اور گز نے کے لئے جاگ اٹھی لیکن سرال اور گونا تو اس کی  
بیٹی کا ہونے والا تھا۔ نہ معلوم اپنا بیٹی کا — بیٹی کا — اپنا  
..... اور راز کا وہی گیت ایک زوجے میں ڈھل جاتا۔ جنداں کی گاہیاں اور درود  
جسے اور دل دوز بنا دیتیں اور وہ گانے لگتی — پھر تو سہیل دی، جو پڑھتا  
ہے۔ — سہیل اس وقت تک بیس کے گی جب تک ساتھی اس کے ساتھ  
ہو گا۔ جسم اس وقت تک کام کرے گا جب تک روح اس کی رفاقت کرے گی.....  
اس پر وہ اوپاش — بھگل اور وہی اس کا نصیبوں والا اڑد۔ بھگل  
نے بھی پر ساز لاؤ نا تو سیکھ دیا تھا لیکن خود پر گھر کرنے داری کا جراہ پڑنے دیا آمدی  
پہلے سے بھی کہ ہو گئی۔ زندگی میں ایکا ایکی، چونک کرمبا کا ہوا نہیں، جذبات و شہزادیا  
کے بھگل میں کھو گیا۔ ابھی دہ زندگی کے سیاق و سبق سے اچھی طرح واقف نہ ہوا  
تھا لیکن اسے ”جا اینجا سست“ کا احساس ضرور تھا۔ جب بھی کوئی کنو اری سامنے کو  
گزر جاتی تو بیسے اپے آپ سے بول اس کے ہونٹوں پر چلے آتے —  
نشے دیپے بند بوتے تہیں پنیگے نصیبوں لیکے

— اس نے کی بند پول! تمہے نصیبوں والے پئیں گے۔۔۔۔۔ اور  
نصیبوں والے اُڑے پر آکا ہنکنے والا مغل یہ جھول ہی جاتا، لگھ کی طرف سے بھی  
اس پر کوئی فرض عائد ہوتا ہے جہاں سب رُگ اب ایک ہی وقت کھانا! مکلنے  
گئے ہیں —

اپنی دوسری مسکل کی جملہ اراضیں کی جھوٹی بیٹی، سلامت سے راہ در حکم ہو گئی۔  
سلامت نے صرف ترکاری — — بھینڈی، بینگن اور نوری ہی پر ہاتھ پھیر  
نکال لئے تھے بلکہ ان کا وزن اپنے بیل پر لگی ہوئی تو کی کی طرح ہر اچھا اور زم تھا اس  
پر بھی وہ ہوا کے معمولی جھونکے کے ساتھ جامن اور بکان ترا ایک طرف، کانخ دا  
بُول سے پستی پھرتی تھی۔ ایک دن اس نے راہ جلتے مسکل کو ٹوکا —  
“اڑیا منگا! — ”

مسکل جو آکا لے کر نکل رہا تھا، گھوڑی کی بالکل کھینچ کر کر گیا اور سلامتے  
کی طرف منہ اٹھا کر دیکھنے لگا۔ سلامت نے پاس آگر ان کھیس مشکائیں اور بولی  
“ہمئے ہمئے دے ایساں! — — ایک بارہمیں بھی سیر کر دا

دے — ”

“یکوں نہیں سلاتیئے! ” مسکل نے حامی بھری ڈگوٹی کس کی اور گھننے کس کے؟ ”  
”مکب کر لے گا؟ ”  
”جب تو کہے — ”

سلامتے آگئے پیچے دیکھ کر دیں۔ آج ہی رات۔

ہی، منگل نے کہا: میرا اگر رات کر نہیں چلتا؟

اور وہ بکی۔ اپنی گھوڑی کو چاکب لٹکا کر ٹلپ دیا۔ جب وہ

ستراہ کے راستے پر درجن کوس نکل گیا، تب سلامتے کی بات کے معانی اس کی سمجھی آئے۔ وہ گاڑی کی طرف مرد نے ہی لکھا تھا کہ سواریاں الف ہو گئیں۔ پھر یہ سچ کر کہابھی تورات ہونے میں آٹھ دس گھنٹے باقی ہیں، وہ ستراہ کے راستے پر جل دیا۔

گھوڑی کو چاکب لکاتے اور کہتے ہوئے۔ چل میری کیسے، شہر و غیرہ۔  
شام کو منگل گھر پہنچا تو پہنچے اس جھوٹے سے دمشق کی قحط سالی دیکھ کر سارا

عشق بھول گیا۔ صحیح سے کھانا ز پکا تھا۔ بڑی نے کچھ چاول اپالے تھے لیکن بھوکی راز نے انہیں طباق پہ ڈالا اور بنانک مرچ کے کھا گئی، سر کے ہی نکل گئی۔ ساس

سر سر تو ایک طرف، اس نے اپنے بچوں کو بھی نہ پوچھا تھا اور اب جذاب اے دعکے دے دے کر باہر نکال رہی تھی..... اور رانی پھر نی اور کھا رہی تھی۔

وہ چاہتی تو ایک ہی باہتے سے بوڑھی جذاب کے جسم کا رفت اس کی روح کو فیضودہ کر دیتی نیکن وہ جسپ تھی اور ایک آن جلنے ڈرسے کاپنے جا رہی تھی.....

منگل اس منتظر کو دیکھ کر ایک مجرمانہ احساس سے بکان کرتے پنجھے کھڑا ہو گیا۔ آج

اس نے صرف بتیرہ جودہ کرنے بلکہ جو گھر کے زندگی کے لئے بھی کافی نہ تھے۔ اُسے الٹی طرف کی ایک سواری ملی تھی جو روپیہ سواروپیہ میں کوتیار تھی لیکن سلامتے

کے لائیں وہ جلدی ہی گاؤں لوٹ آیا۔

منگل نے جذاب کے ہاتھ روز کتے ہوئے کہا۔ تائی!.... کیوں تو

تزویں گریب کے ساتھ ایسا سلوک کرتی ہی کیون روزگار تی، مکے دیتی ہی۔ آخر کہاں  
جائے گی یہ چاری؟"

رازو چھے اپنے شرہر کے مرلنے پر روزانہ آبا تھا، ایک دم بلک اٹھی اور تھوڑی  
ہی دیر میں وہ اپنے آنزوں کے سیلاپ میں کچھ یوں ڈوب گئی کہ لڑکنے جو گل بھی نہ ہے۔  
وہ رود ہی تھی اور کہہ نہ ہی تھی ————— میں کیوں جاؤں؟..... کیا نہیں  
کیا میں نے اس گھر کے لئے؟ بیٹے نہیں چھے کہ بیٹی نہیں جنمی؟.....

خیل پر لا ————— قصرِ عبایی کا نہیں، میرا ہے:

"تیراخڑا مخوبی؟" جذاب کر لگی ————— چوہوت اپنے بچوں کی نہیں وہ اد  
کس کی ہو گی؟" اور پھر راز کی طرف منکرتے، ہاتھ جوڑتے ہوئے دہلوی: گرد کے  
واسطے، بھگوان کے واسطے، دیوی ماں کے داسٹے تو اب جا ————— دفان ہوا.  
جو اندرھا کا نام لتا ہے، اکر لے ..... یہاں سے مر لے .....

رازا ٹھی، اُمر دتی ہوئی اس نے جذاب کو ایسی مچھا ہوں سے دیکھا جیسے کہہ ہی ہو  
تو تو بننی ہے ماں ب ————— بجت مالہے، تو تو مجھے مت دھنکا رہی ہے  
تیسے بھی ہے مجھے رکھ لے۔ میرا اس دنیا میں کوئی نہیں۔..... اور اسی فڑے  
وہ رب کے حصے کا کھائی تھی۔ اب اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا ————— اس گھر  
جیں رہے بھی تو کیسے؟ بچے اپ پل پکے تھے، بڑے ہو پکے تھے اور قاعدے سے اب  
تمکے کے تھے، اس کے خروٹے ہی تھے؟ ساس، سُسر، گاؤں میں پچاہت کے لوگ  
لے جلنے بھی دیتے تو وہ ان کیسے کر کہاں جاتی؟ خود بھیک مانگتی؟ ان سے بھیک  
مٹکواتی؟ پھر ————— بتا، سنتا اور بڑی، ہر ایک سے وہ ایک ہی ساپیار کرتی تھی۔

اب بھی دہ اس کی دیکھ رکھ کے ملکع تھے۔ ایک کو چھوڑنے کا لغایا کرتی تو دوسرا پہلی میں دد دہونے لگتا، اور دو سب، اتنے جھوٹے نہ ہے کہ ساقے جاسکتی، اتنے بڑے نہ تھے کہ چھوڑ سکتی..... ساس کے انشتے جوتا بیٹھتے لات کے علی میں راز بھی اب بھی سمجھنے بھی تھی، جس حورت کا پتی مر جائے اسے اس کے گھر میں رہنے کا کوئی حق نہیں اس دنیا میں رہنے کا کوئی حق نہیں۔

اس کی یہ حالت دیکھ کر، ایک صحیح چزوں آئی اور گھلے میں بانہہ ڈال کر اپنے گھر لے گئی۔ ساگ کے ساتھ کل کی رونٹ کھلانی جو رالنے اس ڈرے تھوڑی کھاتی کہ پھر نہ لے گی اور پھر چزوں مونڈھا سر کا کر راز کے پاس بیٹھ گئی اور بولی تو دیکھ بی بی!

میں تجھ سے ایک بات کہتی ہوں، جو مانے تو —————  
رازو نے چزوں کی طرف دیکھا۔

چزوں شروع ہوئی: یہ چند ابندی، یہ ساس تیری تجھے مینے نہ دے گی اس گھر میں بیسے نہ دے گی ————— یہاں رہنے کا ایک ہی طریقہ ہے۔

”کیا طریقہ؟“ راز نے جانش سے پہلے ہی ڈھاریں پاتے ہوئے کہا۔

”وہ یہ کہ تو ————— نخل سے شادی کر لے، چادر ڈال لے اس پر۔“

”نہیں،“ راز ایک دم کھڑی ہو گئی ”یہ تو کیا کہہ رہی ہو چزوں؟“

”کھیک کہہ رہی ہوں ————— جب بڑا بھائی پورا ہو جائے تو.....“

”یہ نہیں ہو سکتا：“ راز نے کہا اور اس پر ایک لرزہ چھانے لگا: بیکل۔

بچہ ہے۔ میں نے اسے بچوں کی طرح پال لہے..... عمر میں بھروسے کچھ نہیں تو دس بگارہ سال چھوڑا ہے..... نہیں نہیں، میں تو یہ سرخ بھی نہیں سکتی۔“

اور رازو گھر بجاگ مگنی .....

مغل بکی کے لئے رازو نے جا رہا تھا جب رازو گھر پہنچی۔ اندر جاتے ہوئے رازو نے مرد کو ایک نظر مغل کی طرف دیکھا اور پھر ایک ایکی لمبے آپ تھیں تھیں ..... نہیں تھیں ..... کہتی ہوئی جل دی۔ خود کو ٹھنکے میں گرا، من چھاکر رونے لگی۔

گھر دی بھر کے بعد مغل سازی بننے کے لئے اندر آیا۔ آج وہ چلدی تکل جانا پایا تھا کہ گھر میں چاول ہی نہیں، گیوں بھی آئیں اور موٹی سی روٹی کچے بیسی کو پکا کرنے تھی اور جس سے اصل میں پیٹ بھرتا تھا۔ چاول کا کیا ہے؟ وہ تو سیدھے پنیاب کے راستے سے نکل جاتے ہیں۔ اور پھر پیٹ خالی، ارب دالی ..... ہو کے تو ایک آدمی ترکاری بھی ہو جائے جس کے سواگت کے لئے سن کی سڑک پر ابھی سے چھڑا کا د ہونا شروع ہو گیا تھا۔ کچھ نہ ہو تو رہنی کے ساتھ پیاز ہی ہی یا پھر مہن کی کچھ قرٹاں دیتیا کے ہاں سے نتی آہی جانے گی اور اس میں نکا۔ اور لال مرچ ڈال کر رہنی کھالی جانے گی ..... ان سب بالوں سے زبان اور تاؤں کرا بھی سے چلنے چھاٹ کرنے لگے ..... ایک ہاتھ سے ساز کا گور کھو دھندا سیدھا چھٹ کر مغل نے رازو کی طرف دیکھا اور بولا —

“کلغی کہاں ہے گھوڑی کی؟”

رازو ایک چٹکے کے ساتھ اٹھی۔ پہلے تو اس نے سیدھے مغل کی طرف دیکھا اور پھر ایک ایکی گھبرا کر دوسری طرف جھانکتے ہوئے بوی — بچے تو گئے مدرسے۔

مغل نے حیرانی سے رازو کی طرف دیکھا اور کہنے لگا: “حد ہو گئی بھئی۔ میں چتر مہری

مکن کی بات کر رہا ہوں اور تو پھر جوں کیا ۔۔۔۔۔ اور بھرپور دیکھنے کے لئے کہ راؤ کو ہوا کیا ہے اس سے آگے بڑھ کر لے چھوڑ دیا۔ راؤ بھلی کی سی تیزی کے ساتھ کھڑی ہو کر ملاڈی  
”مت ہاتھ لگا مجھے“

مھل نے گھبر کر ہاتھ پھینخ دیا اور اپنی انگلیوں کی پوری دل کو دیکھنے لگا۔ پھر سے  
کافی میں گئی جسے ساز میں لگلتے ہوئے یو لا تہ اتنی سیانی، اتنی بھجدار ہو کر، اب تک  
بات کی بات لئے بھی ہے؟“

— اندھر پر دھوکہ پا بر لھل گیا۔

رازو اٹھ کر دروانے تک گئی اور مجھے سے منگل کو جلدی ہونے و مکھتی رہی  
..... کلی دیر میں گل کے نکڑنے پک کر مھل کو چھپا لیا۔ اب پر جگتے  
ہوئے اس کی صرف آواز آرہی تھی ہے

ہیرا کھیا جو گیا جھوٹھو بولیں، کون رکھڑے یار مناذ اے  
ایا کوئی نہ ڈھٹھا میں ڈھونڈنگلی، جسہر ڈاگیاں توں ڈلیا ونڈاے  
ہیزے کہا، مے جو گیا تو جھوٹ کہتا ہے۔ روٹھے یار کو منذ کون جا آئے؟  
میں ڈھونڈتے نہ کی، ایسا کوئی نہ دیکھا جو جانے والوں کو داپس لے  
آئے.....

۲۶

چنول نے پورن دلی سے بات کی۔ پورن دلی نے اپنے شوہر گان چند سے جو گاؤں کا سر زخم تھا اور اس وقت کٹلے کی ممتاز مدفیہ زمین کے میلے بے کھدا کر، بیچی زمین پر مٹی ڈالوائے ہوئے راستہ ہموار کر رہا تھا۔ اس نے جور دے سخن کے گمراہات سئی تو بولا۔ —— ”اں ہاں، بیٹھ کے ..... رانی بچاری اور کہاں جلنے گی؟ کیا کرے گی؟“ اور پھر کچھ سوچتے ہوئے بول اٹھا۔ —— ”مگر محل تر رانی سے بہت چھوٹا ہے .....“

”تو کیا ہوا؟ پورو بولی۔ —— اسے کون سی ہیزیں جلنے گی؟ .....“  
غمبجی کھلنے کو نہیں، بدن پر کپڑا نہیں۔ دوزن کا کام ہو جائے گا۔ دوزن سکھی ہو جائیں گے۔“ اور پھر گاؤں کے سر زخم کو ڈالنے کے لئے وہ پچھا اور بھی لپنے شوہر کے تریپ پلی آئی اور کہنے لگی۔ ”تم نے مُنا، مسلمت سے اس کا؟“  
”نہیں نہیں۔ —— نہیں تو۔“

”میں تو کہتی ہوں۔ —— ان ارامیوں، ان سلوں کو گاؤں سے نکال ہی رہیا چاہیے ..... یہ جملہ اور تینوں بیٹیاں اس کی، جو بیا ہی ہوئی ہے وہ بھی

اندرونیں، وہ بھی، سب ایسے گھومنتی ہیں جیسے کتنا . . .  
” تو کہے پلے گی یا مطلب کی اس بھی بلئے گی؟ ” گیان چند نے بے صبری  
کہا — اور بولا: ” کچھ ہوا؟ ”

” ابھی تو کچھ نہیں — ہاں ہو جائے گا؟ ”  
گیان چند کیا امید لے کر سننے آیا تھا ایکن سب مزا کر گرا ہو گیا — وہ بولا: ” کچھ  
ہوا تو — دہی حال ہو گا اس کا جو چورہ مہر انداز داس کا ہوا —  
وہ کے لگوٹ دلے باہری داس کا ہوا؟ ”  
پورن دلی نے اپنی نظریں جھکا لیں۔

گیان چند معنی خیز نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا تھا: ” مجھنا  
اب کے مقدمے میں صرف مردی بھیگتیں گے..... جب تک عورتیں برابر کا حق  
نہیں مانگتی تھیں، ٹھیک ہا — اب یہیں برابری کا حق ”  
” میں ایک بات پڑھتی ہوں ” پورن دلی نے کہا: ” تم نے جملہ کو دھرم شالہ  
میں کیوں بلوایا ہے؟ ” وہ اندر ہی اندر ہری داس کے نام کی بس  
گھوول رہی تھی!

” دھرم شالہ میں کہاں بلوایا ہے؟ ” وہ تو مہر کرم دین کے باعث  
میں ..... گیان چند نے کچھ ہمکھلاتتے، پھر فردہی راستہ پاتے ہوئے کہا۔  
” مسلمانی ہو کر فہ دھرم شالہ میں کیسے آسکتی ہے؟ ”

” اچھا — اب دھرم شالہ کی جگہ کرم دین کے باعث نہ لے لی؟ ”  
” کے جہیں رہی سودائی! ..... اس نے باعث کے سب کیلے توڑ لئے ”

• تھا سے بانگ کے تو نہیں توڑے؟ •

• مارڈ میبو طاہمی؟ گیان چند نے سکر لئے ہوئے کہا : نہیں تو وہ کیا کی کرتی؟

• مارڈ میبو طاہمی یا پہلے ہی آتے جاؤں نے توٹ لئے — ?

گیان چند کا جھرہ سیاہ پڑ گیا — پورے نظریں بچاتے ہوئے دہ بولا — "اچا، اچا — تو بات کرنے آئی تھی مغلک کی —

• مغلک کی نہیں، رانی کی" پورے نے تردید کی۔

• رانی کی ہی؟ گیان چند بولا تھیں تو تمہبا ہوں، میں سے منگل کے ساتھ جادہ ڈال ہی لینی پاہیئے — یوں بھی گاؤں میں آئی ہوئی عورت باہر کوپیں جائے اور ہر اُدھر کیوں جھولنکے؟ — اس میں گاؤں کے ہم سب مردوں کی بدنامی ہوتی ہے....."

اور پھر مردوروں کی طرف منکرئے ہوئے گیان چند نے بلند آذانے سے کہا : کامیو — گجراؤ ب — سب زمین برابر کر دو، کہیں بھی اونچ نجف نہ رہے .....

اور تن آور جوان کیستوں اور کردا لوں سے کام میں لگ گئے — ان کے جھوپ پر تیل گئے، کسے ہوئے پھٹے دندروں تک ہوا میں جلو تیاں ارنے اور شنی میں چکنے لگے..... اور گیان چند سوچنے لگا۔ ہمارے دشیں پنجاب میں جہاں عورتوں کی کمی ہے، کیوں مردوں سے ان کا حق پھینا جائے؟ کیوں ایک عورت کبھی کار جئنے سڑنے دیا جائے؟ پھر وہ گاؤں کی پیچا سیتے سے الگ اور حضور شاگھ کی بجا یہ براہدی سے الگ ملنے کے لئے پلا گیا.....

مشکل کی غیر حاضری میں کچھ لوگ بڑی کو رکھنے آئے تھے۔ بڑی مصوم کچھ نہ جانتی  
تمی مدادی کے کہنے پر ہمازوں کی خاطر خدمت کے لئے دوڑ کر جنزوں کے دہانے پر فی  
لے آئی جس میں مادا کم تھا اور شکر زیادہ۔ نفع گیر دکانداروں نے ایک سیر ماڈے  
پانچ سیر پرنی بنائی تھی اور شہر کی یہ بیماری ہمازوں تک پہنچی آئی تھی۔..... وہ تین  
آدمی تھے، ایک ادھیر ڈھر کا، تقریباً بوڑھا ————— اور باتی کے دو —————  
جو ان ————— ایک تو مات اس بوڑھے کا بیٹا معلوم ہوتا تھا اور دوسرا  
شاید اس کا دوست تھا۔ ہر سکتا تھا بھائی ہی ملکن عکل باپ پرندگی ہو —————  
دادی کے اشارے پر وہ بڑی کو اٹھتے بیٹھتے اندر آتے، باہر باتے دیکھ رہے  
تھے: بھاہوں سے تول رہے تھے۔ نوجوان کی نگاہیں تو پھر اچھ کر پڑی تھیں، لیکن  
بوڑھے کی سیدھی ————— اور جہاں بخیں دھیں چک جاتیں ————— آخر  
جب بڑی پنجھے گھر میں سے پانی ڈالنے کے لئے بیٹھی اور پھیلی تو بوڑھے نے  
پنکارتے ہوئے کہا: ماں!

اور پھر بولا: ٹھیک ہے، اس بیٹھیک ہے۔

اسی وقت بڑی کے ماتھے پر دکسی خیال کی پرچائیں گزری اور اس سے پہلے کہ  
دادی جنداں اسے باہر جانے کا اشارہ کرتی، بڑی ایک ہی زندگی سے باہر جھاگ  
گئی اور اپنے تیجھے ایک الیسی خوبصورتگی جو نو خیز رکھ کیوں ہی کے بدن سے آئی  
ہے.....

ہزار روپے سے آتے آتے سائیسے پانچ سو روپیہ ہوا۔ اس پر جنداں کو  
سچنے کا موقع دے کر اپنی تسلی تشقی کرتے ہوئے وہ لوگ پہنچنے کے جراحت نے

موقعی ایسا تلاش کیا تھا جب کہ رانو گاؤں کی دوسری ہور توں کے ساتھ کیاں پہنچنے گئی تھی۔ جنداں اب سوچ رہی تھی — یہ رقم ان لوگوں سے لے گی کیسے؟ رڑکی انھیں دے گی کیسے؟ ..... رانو سے تو پوچھنا ہی پڑے گا۔ لیکن لے تو وہ اپنے دل سے اپنے مگرے ہمیشہ کے لئے بیجانہ کر چکی تھی۔

رانی ملوٹ تو جنداں اس سے نیپو پوتیاں کرنے لگی اور جب اسے بیاس بھاکر، جنداں نے اس کی بغل میں اپنی بوڑھی — جھرلوں ماری باہمہ ڈالتے ہوئے کہا — ”تو جنم جنمانت کی بہر میری۔ تو رانو کا آتا ٹھنکا۔ جب ہی بڑی نے باہر سے آتے ہوئے ماں کو اندر آنے کا اشارہ کیا ہے جنداں کی تقریباً انہی انکھیں نہ دیکھ سکیں۔ رانو الہ کر اندر گئی تو بڑی نے اپنی بھیٹ زبان میں ماں سے سب کہ دیا۔ ساری سے پانچ سو کی بات بھی سنا دی ..... وہ درد اونے کے پیچھے سے سب سنتی رہی تھی۔

رانو، بڑی کے منع کرنے پر بھی لپک کر باہولی آئی وہ اپنی ادقات، اپنی ہمت، اس گھر میں اپناد رجہ سب کچھ بھول پکی تھی وہ اس کردار مرغی کی طرح تھی جو اپنے انڈے بچوں کو بچانے کرنے شکرے اور باز پر بھی محبت پڑتی ہے۔ ”ਅن کون آیا تھا یہاں؟ ..... کس کی ہمت پڑی یہ رہیز بچانے کی؟ میری بیٹی کا سودا کرنے کی؟ .....“

جنداں ایک نا ہورت ”قسم کی مدافعت پر اُتر آئی — ” نہیں سمجھتے رہنے ہے — وہ تو ایسے ہی بات کر رہے تھے۔ اب ہر کسی کا منہ ہتھوڑا کچڑا جا سکتا ہے؟“

• ہاں باپکر دا جا سکتے ہے، جملہ اجا سکتے ہے یہ راؤ کوئی نہ مخوب ہے بھی تھی  
آن حرام جادوں کی جان کاٹ دینا تھی۔ منہ میں لٹک لٹ کرتا ہوا چڑھونس دینا  
تھا ————— میری بیٹی جس کی ایک ایک بانہ، ایک ایک ایک انگلی، ایک لکن لہ  
لاکھ لاکھ کی، اس کی ایک ایک تیکنی میں سوسو کھائی۔ لوگوں کی ایک ایک تیز  
میں عفر قید.....”

• میری بیٹی ہے ۔ جنداں بولی ۔ میری بھی تو کچھ ہوتی ہے، میری بھی تو یقین  
ہے ۔

”پوتی بہر سے ہوتی ہے، جب بہر ہی نہیں تو پھر پوتی  
کیسی؟“

اور پھر ایک لمبی سی، گھستی ہوئی ”کھبردار“ کہتے، بالآخر پکلتے ہوئے راؤ  
اندر پلی گئی لما خار ————— وہی جملنگا، وہی رونا ————— ہائے اب  
میں بیٹی کو کہتے دیکھوں کی؟ میں تو صرف کچھ رے کے نہیں آئی تھی تو یہ وروشا  
ہوئی ————— یہ تو کب جائے گی اب..... اور وہ بات اس پا  
کی ہڈیاں توڑیں گے، فوج فوج کے کھایشیں گے۔ کہیں گے تجھے لیے ہی تو نہیں  
خرید کے لائے ہیں، دام دئے ہیں..... تلوکے مرحوم کے زمانے میں آخری  
یہی حرثہ تھا رانی کا ————— ”دیا تو نہیں دیا ————— لیا تو کچھ نہیں؟  
بیاہ کر لائے ہو کھر پیکے تر نہیں لائے؟“..... اور یہ بیٹی میری بک

جائے گی؟.....! ” ..... مگر میں کھلنے کو کچھ نہیں بیاہ ہو گا بھی تو کیسے  
 ایک لمحے کے لئے بے خیال آیا — آج مہر بان داس چودھری ہوتا،  
 ایک ہی رات میں بیٹی کا جہیز تیار کر لیتی اور پھر لے اپنے سامنے طوٹیاں بجا تی،  
 ناجھی کھلتی ہوئی برات، سہرے بانہ میں ہرئے لٹک کے خلے کر دیتی اور جب  
 ڈولی اٹھتی تو دور کھڑی دیکھتی، ردتی، دیکھتی — لیکن کبھی نہ کہتی —  
 ” بیٹی! تیرے سہاگ کے لئے رات ایک ماں نے اپنا سہاگ لٹادیا.....! ”  
 پھر..... پانچ ساٹھے پانچ سو میں گے تو یہ پھاپھاں تجھے کچھ دے گی  
 تھوڑے ہی — ” آخز — نیچنا ہی ہے تو ایک ہی بار ساٹھ پانچ سو  
 میں کیوں کیوں جیسا کے کہ شہر سفل جاؤں اور تھوڑا فتوٹا کر کچھ پوں، لاہور میں  
 سینکڑا دوں ہزاروں بالوں کو چھوڑ دیں کے دل بہلا رے کے کے لئے پندہ  
 پندرہ میں میں روپیے دے جاتے ہیں۔ کھلنے کو جلی چوٹکی ملے کی، پہنچ کو  
 ریشم — کھینچنا کھاب..... تھوڑے ہی دنوں میں روپوں اور  
 کپڑوں سے صندوق بھر جائیں گے.....  
 جب ہی زتاٹے کے ایک تھپٹر کی آواز سنائی دی جو رانوئے خود میں لپنے  
 من پر مار لیا تھا ..... اور اب ہمیشہ کی طرح ایک آن جلنے خون کر  
 لپنے لگی تھی۔

” جنداں راؤ کا آخری فقرہ سوچ رہی تھی — ” بوتی بہو سے ہوتی ہی ”

جب بھوپی نہیں تو پرتو کسی؟" اسی وقت گیان چنڈا، کیسر نگہ، بگڑا دلہا، اکرم دین  
الله گاؤں کے دوسرے آدمی پلے گئے اور اگر حضور نگہ کے پاس بیٹھ گئے جنڈا  
کر بھی بلایا اور رانی کے چادر ڈالنے کی بات یوں چھیر دی جیسے یہ بھی کوئی حملہ  
جن کا فیصلہ پنجاہیت کو کرنا چاہیئے۔ چادر کی رسم کی بات شرعاً ہو گئی۔ حضور نگہ  
نے سمجھا — اس مدرسی عجب کہ وہ مرنے کے قریب ہے، پنجاہیت، برادری  
کے لوگ اس کی بے عذتی کرنے، اے آخری لھوگر مارنے کے ہیں۔ لیکن جنڈا  
خورت کی سریعہ اعلیٰ سے یہاں کی تھی تک پہنچ گئی بلکہ اس سے بھی کہیں  
دور آگئے، بہت آجھے نکل گئی۔ ایک لمحے کے لئے اسے خیال آیا — اتنا  
زندگی، اتنے قریب کا خیال اسے پہلے کیوں نہ آیا؟ پھر اسے یاد آیا —  
ہاں، ہاں! آیا تھا لیکن جب بڑی کمی چھوٹی تھی۔ اب رانو پھر اس کی بھوہ سکتی ہو  
اوہ بڑی اس کی روتی — اور..... جب حضور نگہ نے بچوں کی طرف  
دکھو کر آنکھیں پھر دھپڑا ایں تو بڑی دامت نکال کر اس کی طرف بڑھی۔ دبکی  
بڑی مری تھوڑی تھی بی..... وہ تو زندہ تھی — جنڈا!.....  
جنڈا! بیل! گزری میں مت بولا کر، بڑھے اندھے زبان چھوڑے .....  
جانتا بھی ہے کیا کیا انصا پچ ہو رہے ہیں اس نیا میں؟ — کہ اس جنم کا اندرھا تو  
لگلے جنم کا بھی اندرھا۔ ...."

ونجی موجود تھے جنہوں نے بڑھے بڑھی کا بھی فیصلہ کر دیا اور آخر حضور نگہ اور  
جدان دوزن کی منظوری لے کر پہنچ گئے۔ ان کے جانے سے پہلے بزرگ ہونے کے  
تمٹے جنڈا نے سب کو اشیرواد دی ..... ان سب کے پیغمبر مصطفیٰ کی دیری

کہ رانی بھری پاپھری ہوئی منظر پہنچی آئی۔ تو تر بڑی کے بیاہ کی بات کرنے  
جا رہی تھی، پھر ساپھاں ابیق میں میر امیر نہ کیوں نکال بیٹھی؟ ..... اور وہ کے  
جا رہی تھی۔ شرم ہے تو کچھ کام..... گھر میں یہ سیلوں ہو لد لیاں  
پڑی لائیں دافر..... بے دیلوی ماں! یہ جو ہڑکے گردے پانی میں ڈوب ڈوب  
مرے۔ اپنے سے آتے والی مشین کو کو کرے ..... تو یہ پھوٹوں سے  
کیوں نہیں کر سکتی؟ بنت کے ہاں کیوں نہیں بیٹھ جاتی؟ سنتے پے کیوں نہیں چادر ڈال  
سکتی؟ میں اس سے بیاہ کرنے جاؤں گی جسے میں نے مھاتی نکال کریں گے۔  
جب ہی کوئی ہاتھ دانی کے بالوں پر پڑا اہر دہ آٹھنی ہوئی دیوار کی تیچھے، کوڑے  
کے ڈھیر پا گزی۔ آٹھنی، نظریں صاف ہوئیں تو سلمان نے چزوں کھڑی تھی اور  
دانٹ پس رہی تھی۔ رنڈیے، کھسک کھلیئے آیدھر مز..... اور پھر  
اسے مکان کے ڈیپھے کھولے، میں جہاں گاؤں کے رڑکے رڑکیاں راست کے اندر میرے  
میں ملا کرتے تھے اور پا چور سیندھ لگلتے تھے، لے جاتے ہوئے بیلی۔ ہم  
تیرے بھلے کی کریں گے! اور تو پہلیتی جائے؟  
نہیں چزوں، نہیں: راز نے اس کے سامنے دکھڑا روئے، پاؤں پکڑتے  
ہوئے کہا۔ وہ بچھے ہے..... میں نے کبھی اسے ان بخروں سے  
نہیں دیکھا۔

چزوں بولی تاریکی۔ بچے اس دنیا میں رہنلہے کہ نہیں رہنا، اس  
پیٹ کا نزک بھر نلہے کہ نہیں بھرنا، اس اپنی شرم کو ڈھانپنا ہے کہ نہیں ڈھانپنا؟  
بڑی آئی ہے، بخروف دالی..... کہا نہیں بلکے شامنے؟ ہے

بُجھا ربِ دا کیہہ پاٹا!  
 ایدھروں پُٹنا — اُدھر لانا  
 بس ادھر سے نکال کر اُدھر ڈال دینے کی بات ہے ..... پہلے  
 لے ان بخروں سے نہیں دیکھا تو اب دیکھو، مردیئے —  
 رازِ اپنے تصور میں مغل کو دیکھ رہی تھی!  
 چزوں بولتی چلی گئی — سوچ تو سویئے! ادو شادیاں یہاں کس ان جائی  
 کو ملتی ہیں کرنے کو؟ جس کے ساتھ ہو گئی سو ہو گئی نیچ میں دوچار ہو جاتے ہیں لیکن  
 دہ کوئی اچھی بات نہیں؛ ہر بکٹ ڈسے جان ٹھلی رہے — ہاں! امروں  
 کی بات الگ ہے ..... یہ دنیا ان کی — کوئی پڑھتا ہمیز ہو  
 کوئی جواب اپنے مغل سے کرے گی، تو کیوں نہ کرے؟ ..... سلامتی  
 کی سنی ہے ناتونے؟ ..... کیکر، دہ سب بامیں چھوڑ، بمحض اپنی میٹی کا بیاہ  
 بھی کرنا ہے کہ نہیں کرنا؟ —

راتو پھر چونک گئی ..... اپنا بیاہ کہ بیٹی کا؟ — اپنا .....  
 وہ بچوں کی طرح زندگی صدر کرتے چلی گئی اور گھر پہنچ کر دن بھر مسحی سوچتی رہی ہر جتنی  
 رہی جب ہمیکا لکھ دیتی آگ اس میں پاک آئی جس کا قلعن بڑی سے تھا نہ چھوٹے دو بچوں  
 سے — اور نہ چھوٹے ..... کوئی اور بھی ناپسین پتے اس کے  
 پیٹ میں پھلنے لگے تھے۔

شام کے قرب پُر دا کائی تو راتو بیمار پڑی تھی! ایک پیٹی سی سر کے گرد کس کر باندھ دکھی  
 تھی بڑی چزوں موی کے یہاں جا کر تھے اسی چڑیاں سی بتو اکر لے آئی تھی اور راتونے

انہیں اپنی کنپٹیوں پر جپکار کیا تھا اور دہ چڑیاں دانہ دانہ کر کے رانو کی ساری گریاں  
چن رہی تھیں۔ پورن دلی نے تھوڑی مزاج پرسی کی اور پھر سکراتے ہوئے کہا: کیوں نہ  
کیسا بخمار ہے؟ اور رانو منہ موڑ کر سکر ادی —

اس پر پوری کائنات ایک مخدوش سے طریقے پر کمل اٹھی۔ پورو، غسی، بڑی  
پکڑ جلتے ہوئے بھی ہنسی کے اس اکاؤنٹ کا موقع سے فائدہ اٹھا کر گسلے گلا اٹھی  
..... معلوم کب اور کیسے سن توں، مہاتماوں، رادھے گرشن اور شیو پاروتی  
کی تصریر یا اپنے آپ چوکھوں میں با ٹکی لھیں اور ان دیوی دیوتاؤں کے چہروں  
پر دنیا بھر کی محنت کا نقش دوام ہو گیا تھا۔ بڑی کی کھلیے بھائی پر آئے ہوئے  
ترے چھپا تے ہوئے اڑ گئے۔ مندر کے سنبھالی کلسوں پر سورج نے اپنا آخری  
کلال کھنڈ دیا — اور گھنٹیاں بخے لیں .....

ایک دم — ایک دم کہیں سے منکل اگر ددازے میں کھڑا ہو گیا  
دہ خوش تھا، بہت خوش۔ آج اس نے سات روپے کملے تھے جو اس نے  
صمول کی طرح، آتے ہی رانو کے ہاتھ میں تھادے اور پورن دلی بول اٹھی۔  
تلے، یہ پہلی کلائی دہ کمائے تو کہا: اور رانی نے مجرم کی پیسے ہاتھ سے چھوڑ دئے  
نوٹ بجنڈارے کی طرف اڑنے لگا اور سکے کچے فرش پر گزر کرنے کھردے  
تلاش کرنے لگے جگل نے جران ہوتے ہوئے کہلے — "ہنس کیوں ہی  
ہوا چا جی؟"

چاچی بولی — "یہ تو اپنی اس سے پوچھو: اور پھر اسے گمراہی  
ہوئی رانی کے پاس، اکیلے میں چھوڑ کر بڑی کو باہر سینی ہوئی پورن دلی چل دی۔

مکل پھیپھی بے دلوں کی ایک مخصوص پڑھوں ہنسی ہنا اور کہنے لگا بکر مٹے  
کی سب عورتیں اس قابل ہیں کہ —————

رانی نے سچھی میں بات کاٹ دی : مرد کم ہیں؟"

مکل کپھہ نہ سمجھا..... دلوں اپنے لپنے جال اور اس کی گھنٹوں میں  
پہنے ہیں تھے۔ مکل نے اپنی ڈنگی میں سے کتنی اٹھائی جو کمی بدلے زمانے میں اس  
نے پتا اور سے ٹکروائی تھی جس کے سچھے پر اون کا کشیدہ تھا اور لوگوں کے بھول سے  
بنتھے۔ اسے احتہ میں کہا ہوا ہوا باہر نکلنے لگا ————— سمجھتے ہوئے  
یہ کم سے کم مردوں کی بات سمجھ میں تو آتی ہے —————

"مردوں کی مردوں کو سمجھ میں آتی ہے : رانی بولی : اندھوں کی ہور توں کو"  
اور پھر اس نے آنکھیں مٹکایں، ہجوفن اسے لاکھوں کر دلوں صدیوں سے آتا  
تھا، شنگن نے جی ہی جی میں سوچا ————— رانی بھیک کہتی ہے۔ کیا اسے معلوم  
تھا، آج ڈھارے کے گھپا انڈیلے میں جہاں چودھری کے مکان کا لمبہ  
پڑا ہے، ٹھیکر کے چیپے میں اور سلطنتے ایک نئی ہی حارت کی نیور کہہ ہے ہول  
جھے؟ اس نے دروازے سے مٹکر رانی سے کہا : یہ تو آج کیا مرد ہوت  
کا جھگڑا لے میٹھی ہے؟"

"دہی تو محگڑا ہے سارا :

"کوئی کھیتر کی رٹائی ہے؟"

"اس سے بھی پڑانی : رانی نے جواب دیا اور پاس گئے ہوئے بولی : جس میں

جیتا ہوا بھی ہاما اور ہوا بھی ہاما ——————

خمل رک گیا اسلامی کی بات کا کوئی گھر مطلب بچنے کی کوشش کرنے لگا۔  
دوں ایک دوسرے کے باہم یہ کچھ نہ جانتے تھے لیکن وہ سال تھا جب کوئی  
بھی بات کرو تو مطلب بن جاتا ہے اور کوئی بچھ بھی کہو مطلب نہیں بتا۔ اس وقت  
مطلوب تھا یا نہیں اس کے لئے دلائ پاہیئے تھا یا وقت اور دوں کے پاس یہ  
دوں چیزیں نہ تھیں ..... رانو تینیں چوتیں برس کی بھرپور عورت تھی  
جس میں نمائیت اگرداںی لے کر جاگی تھی۔ اس میں زمہر نو خیز لڑکی بھی رہوت تو  
نہ ہو سکتی تھی بالتنہ عورت پنے کا پورا غرور تھا جو رسول، صدیوں سے حالات کئے درستے  
کے تینچھے دب کر رہ گیا تھا اور اس وقت اپل کر، اچھل کر نکلتا جب اور پر کی سطھیں  
کمزور ہو کر راستہ چھوڑ دتیں ..... پہ خلاف اس کے خمل، چوبیں پھپیں برس کا  
جو ان، بھروسہ، شرعاً ہی سے دریا اور آخر دریا، جو نیع کا مختلف تھا وہاں کے کادر  
نہ کاروں کا ——————

باہر اگر راز نے یوں ہی برتن بھکرانے شروع کر دئے ہو وہ چاہتی تھی وہی ہوا۔  
خمل مسلمانے کے پاس جانے سے رہ گیا۔ ماں جنداں نے بیٹے کو آواز دی اور جب  
وہ پاس آپا تو سے بٹا کر باتیں کرنے لگی۔ رانی مصلحتاً شک گئی۔ بڑی کواد بڑھا  
بچوں کو کھیلنے کے لئے باہر بیج دیا گیا۔ رانی جا کر دروازے کے پیچے کھڑی ہو گئی  
جو ہماری دنیا کی اکثر عورتوں کی بلگہ ہے۔

جنداں نے ابھی بات چلانی ہی تھی کہ خمل سمجھ گیا۔ پچھڑا ہیں سے اس کے  
ہال میں بپنے آپ باہر کرنے لگے اور وہ انھیں ایک ہاتھ سے انھا، دوسرے ہاتھ

گل انگلی سے اندر کر لے گئی کوشش کرنے لگا۔ دبئے کی مٹی میں روشنی میں اس کا پھرہ اخون  
کے الیکا ایکی دفعے سے لال ہوتا ہوا درکھائی دیئے لگا.....

رانی نے گواٹ کی چیچے چھپ کر، دیوار کا سہارا لیتے ہوئے، دل پر ہاتھ رکھ دیا از  
سے جس کی دگڑا دگڑا نانی میں رہی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کوئی ختنی، اور پرکی منزل پر کسی کا  
خون کر کے اب بجا گنگے کرنے بلدی جلدی سیر چیاں اتر رہے۔ کوئی دیکھتا وہ  
بیسے ایک دم تو ریے کے بے بہائے ہپول کی طرح پیلی، کھلانی اور مر جانی ہوئی نظر لی  
تھی۔ اس کے ہونٹ دیوان شاہ کی دکان پر بکنے والے پرانے چھوہاروں کی طرح سکر چیچے  
تھے، اور لگٹھ آپس میں ٹکرایا رہے تھے جیسے محنت یا خوف کے ایک بارگی جملے سے رزتے  
ٹکرلتے ہیں.....

خصل نے الٹا کر اندر کی طرف دیکھا جہاں اس کے نیاں کے مطابق رانی کی تھی  
— نہیں یہ نہیں ہو گا، بے کمی نہیں ہو گا! اس نے بائیں ہاتھ کر ایک  
فیصلہ کن جھٹکا دیتے ہوئے کہا، جیسے وہ جھانٹے کو دیا کرتا تھا جب گھوڑی ابکی  
کوڑلکی میں ڈالنا ہو۔ پھر وہ بولا:— میں ماں کی گالی نہیں کھاتا — ان پتوں  
کی ماں کا..... یہ تو کیا لاث باروں اجارت پختم بھی آجلے تو میں یہ کبھی نہ کروں  
میری ماں کے برابر اس کی عمر ہے..... میں سراس کے پاؤں پر رکھ سکتا ہوں پہلوں  
صرپر نہیں.....

اوہ دہ بکتا جھکتا، ادھر ادھر برترے سا کا، ہوا کوٹھا لیاں دیتا ہوا باہر نکل گیا  
اور منڈپ پر ایک سایہ سالبراہ اور پھر چیچے ہٹ گیا — ہائے فی!.....  
لی ..... جندا ہے چلاتے ہوئے کہا — تر لیے! ایچے!.....

دیکھ کہیں اپنے آپ کو کچھ کری نہ ہے..... کہسے کے گیا ہے، مگر میں ایک اور تلوکے کی لاش آئے گی....."

"راز بیکی، گری، پھر بیکی، حتیٰ کہ — دروازہ کے پاس باہمی جہاں چزوں، پورن دلی، دریا وغیرہ نے اسے بکڑا لیا۔"

"رانی اپنے آپ کو چھڑاتے ہوئے بولی: "نائے نی، نائے نی....." اور اس نے انہیں کی ہفت اشانہ کیا۔

"کچھ نہیں کوئے گا" چزوں نے ڈالنٹھے ہوئے کہا۔

"ہائے! کچھ کر لیا اس نے تو میں مر جاؤں گی..... ہم سب مر جائیں گے سب کا بھیکڑا بھی پڑے گا"۔

"تیرہ تا"؛ و دیلنے کے بڑھتے ہوئے کہا: "بھیکڑا توڑنے والی اور کون ہیں، ہم ہی ہیں تا؟"

"ہے دیلوی ماں — میرا تو سارا بدن ٹھنڈا ہو رہے ہے"؛ رانی اپنے تشنجی اختر جھاتی پر رکھتی اندھیرا بند کا سہارا لیتے ہوئے بولی۔

چزوں رانی کے ہاتھ دلتے، لئے ہوش میں لائے ہوئے بولی: "جھے ہی تو گرم کرنے کے لئے یہ ساری صیخت کی ہے..... کیا برف ہوئی جا رہی تھی؟"

"جھے بچا لو چاچی!" رانی نے پورن دلی کے پیسر بکڑتے ہوئے کہا۔

پھرے اپنے پیسہ بھر دلتے اور بولی تیری کیوں بارہی ہے؟.....  
کچھ ہونے ہونے والا نہیں۔ ان توئے مردوں پر حبِ لادی ٹالی جاتی ہے،  
سب ایسا ہی کرتے ہیں۔ ہم عورتیں یہ کرنی سبکی بھری وہ جائیں.....

### زبانی

رانو کو کچھ حوصلہ ہو گیا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ چھپا لیا اور  
پرستور لرزتی، کابنی ہنی چزوں کی طرف دیکھ کر بولی: وہ کیا کرے گا؟  
جو توئے کیا یہ چزوں نے کہا۔  
کیا سوچے گا جو۔

### جو توئے سوچا

بڑی پاس کھڑی سُن رہی تھی اور اب تک معلملے کو کچھ بھج جی تھی۔ وہ  
ایک دم بولی۔ مال نے یہ سب کیا تو میں کچھ کھامروں کی: یہ گھستی  
اس پر سب عورتوں نے اپی اپنی ناک پر انگلی درجتے ہوئے، ایک لبی،  
ہوئی ہوا، ہائے کی اور پھر چزوں نے بڑھ کر بڑی کی چوتھی ٹکھنی ڈالی  
اور باقیوں نے دھکے دے کر لے اندرا بھیج دیا۔ ..... بڑی جب اندر گئی تو شرم  
نفرت اور کرو رت سے اس کا چہرہ سُونج رہا تھا۔ .....

## ۵

مشکل ڈھارے میں رہنگا۔ سلامتی کر کے کوئی ہونی خل کے گمراہ مگرداہستے  
سُن آئی تھی جو اس کی بھروسی نہ کیا تھا۔ اب وہ لوٹ کر خل کا انتظار کر رہی تھی۔ اس کے دلخ  
میں ایک بولی تھی جسے وہ مشکل کو سنانا پاہتی تھی —

ہندی نے چند منگ لئے، یا رجھڈ گیا مگر دا آنا

ہنسی ہنسی ہر جو مرکیا مانگ لیا کہ یا رنے ملکی ہی میں آنا چھوڑ دیا!

جب ہی سامنے مشکل دکھائی دیا۔..... وہ غصتے سے ہانپر رہا تھا۔ ایک پل مشعل نے  
کے بعد وہ اگر سلامتی سے کچھ دور کھڑا ہو گیا۔ سلامتی اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پاس  
اکن اور مشکل کی فاموشی میں ہزار مطلب تلاش کرنے لگی۔ اور پھر ہزار مطلب میں ایک  
ہی مطلب۔..... وہ آج بن ٹھن کے آئی تھی۔ اپنی بڑی، بیاہی ہوئی بہن عینی  
کا دوپٹہ اڑالائی تھی جس پر تقصیش لگی تھی جو کہ میں دوسرے آئی ہوئی روشنی میں چک  
یچک جاتا تھا۔ شام کی ہلکی ہلکی ہوا میں سلامتی کے بدن پر لپٹا ہوا دوپٹہ یوں کا نسب  
رہا تھا جیسے پیٹے کی سماں پر لگا چاندی کا درق کا پتالا ہے۔

مشکل کی آنکھیں، اندر میرے کے با وجود ایک خصل کی طرح جلتی ہوئی نظرِ دہی

تیس۔ سلامتی کے پاس ہیچ کر اس نے اپنا پاؤں ملپٹ کے پاس پڑھے ایک شہری پر رکھ دیا جس کا بہت ساختہ رُگ کاٹ کر جلانے کے لئے بانپ کرتے۔ آہستہ گز میبوط آداز میں ٹھکل پکار لے۔ سلامتی تھے باہ۔

”ہوں!“ — سلامتی لیک میجھی سی آداز میں بولی۔

”ادھر آؤ!“ دہ بولا اور سلامتی جواب نئے بغیر ٹھکل کے پاس آگئی، اُنکے گئی.....

”آمار دے دو پڑھ بھٹکل بولا۔“

سلامتی نے دو پڑھ اُنک پھینک دیا۔

”مکال دے تیس!“

سلامتی نے تیس آمار دی ..... ایک رُگ کے لئے سبے مشکل باتیں لیکن اس لئے کی سولی پڑھی ہوئی سلامتی اپنا ارادہ ہی کھو بیٹھی تھی۔ دایاں ہاتھ بائیں اور بایاں ہاتھ دایاں شانے پر رکھے دہ تھوڑا جھنجک گئی۔

شاید وہ کچھ کہتی لیکن ٹھکل نے انہیں میرے میں، کہیں دوسرے، اپنا اپ چڑا کر آتی ہوئی دیے کی لو میں سلامتی کی طرف دیکھا اور اسی وزنی آداز میں بولا۔  
جو گئی سر۔ اب چلی جا.....!

سلامتی نے بھونپھکی ہو کر اپنے کپڑے اٹھائے۔ جلدی جلدی قسمیں کئے میں ڈالی اور چڑک بڑھت اور دہشت کے عالم میں لگے دیکھتی، پیچھے مرداتی ہوئی چل دی۔

اسی وقت کوئی پاس سے گزرنا اور جیسے خاموشی کا منہ پاشنے کے لئے وہ اٹھا: کون ہے اسے؟ ٹھکل نے ایک دم تاؤ میں اگر نتنے پھلانے اور بولا۔

”وگر ناہیں اُسے اُمیا؟“ اور وہ آدمی ملے بھر کے لئے مٹا کر اپنی ماہ پر ہو لی  
— وہ مقتول شد تھا!

مکمل کچھ دیر وہیں کھڑا ار دگر دک فنا کو سوچتا رہا اور پھر ایکا ایکی بائیس بھتہ  
کوچھا نٹا لگانے کے انداز میں جوٹک کر، سلاتتے کے مگر کھن ساہنپیوں کی  
بھتی میں کہیں فائز ہو گیا۔ ساہنپیوں کی بھتی جو ہمیشہ گاؤں کے کیک  
غلوف ہوتی ہے جہاں ارابیں پہنچتے، چار، مصلیٰ وغیرہ ہے ہیں اور جس کی ہلفت  
کافل کی گندی ہو ریوں اور پدر و فول کا نکاس ہوتا ہے۔

چخوں کی مقرر کی ہوئی تایم آئیجنی۔ پورے چخوں اور دیانتے مل کر رائے کے ہاتھ  
پر پہنڈی لگادی اور سکھی کر کے اس کی مینڈ ہیاں گزندھ ڈالیں اور سر پر  
خوب صورت سادگی بنگلہ بنادیا۔..... اتنا دلاسا یعنیہ جانے کے باوجود راز  
کا نبی پڑھی، رودھی تھی.....

بچتے نا بھی کے عالم میں چُپ تھے اور سورج رہے تھے ۔۔۔۔۔  
کیا کے ساتھ کیا ہو رہے ہے؟ بڑی ان کے گھلے میں اپنی لابنی باہم ڈالتی  
ہوئی، چُپ کر لئے کے بہانے اپنیں روک لارہی تھی اور پھر ۔۔۔۔۔  
نہ دلبت کیا گیا تھا سب بچوں کو چزوں موسیٰ کے گھر بخیع دیا گیا۔

بھر رہتے ہیں یہ سب بچ پڑھ دی پڑھ دی۔  
آئنگن میں پنسی کی ملی سی چادر تھی جس کے نبھے کچھ گھٹے رکھے تھے۔  
... ایک طرف پرانی سی کانی ماری ٹھلیا پڑی تھی اور ان سب پر سیندھ و محل  
رہا تھا اُز کو لا کر جب چادر کے نبھے بھایا گیا تو اس نے ایک دل دوز جمع ماری  
مرنے والے! آدمی کیا ہو رہے ہے تیری رانی کے ساتھ.....؟

پڑت گیاں چند کیسرنگہ اور دوسرے لوگوں نے ادھر ادھر دیکھا۔ وہ تو اک  
زردستی پکر کر لئے تھے اور چار پانی کے ساتھ باہم سے یا اتنا — مہکوم  
جو اس رسم در و اونج سے ذرا پر بہت کر بیٹھا تھا، ذھونڈتا ہوا اندر گیا اور انہی  
پیروں لوٹتے ہوئے بولا: مغلتو تو اندر نہیں ہے!

اس دن اُترے آنے والی ہوا، طباہی کی مردے ایک طرف بکاؤں اور  
دوسری طرف روشن دان کی سلاخوں سے بندھی ہوئی چادر کا پھر پھردا رہی تھی،  
کی دف بخار ہی تھی۔ چار سکے نیچے رستوں کے ساتھ ساتھ بندھی ہوئی کاٹھ  
کی چڑیاں لہراتی ہوئی چوں چوں کرنے لگیں۔ کچھ دور تھوڑے کے پاس اس کی بعجل  
میں لیتے ہوئے ڈبو نے اپنی مانگوں میں دبائی مونی گردن اٹھائی اور مشکر ک  
انداز میں اس پوچھے منظر کو دیکھنے لگا۔ وہ اپ تک بوڑھا اور خیف ہو چکا تھا  
ذ زیادہ روشنی برداشت کر سکتا تھا اور نہ شور۔ وہ گاؤں کے مردھور توں  
کبے طور حرقیتیں دیکھ کر انہی کھڑا ہوا اور اندازے ہی کے ساتھ دشمن پہلو  
بھول کرنے لگا —

• میں تو جانتا ہوں، وہ نطفہ — حضور شمسگھنے کہنا شروع  
کیا۔

“ دُر..... دُر..... ” جذاب حضور شمسگھنے کی بخشکاری تھے ہوئے  
بولی: سوئے بکتے رہنے کے اور کوئی کام ہی نہیں: اور وہ اپنی مُردیٰ نہ  
سی آنکھوں سے اس مجھے کی طرف دیکھنے اور سنا نے لگی۔ وہ نہ جانتی تھی اب  
آسانے اجلی کون سی بلا نازل ہونے والی ہے؟ جلد کا اس کی آنکھیں دھنڈلی

تھیں اس نے اپنے معمول بیٹے کی شکل اور بھی کھل کر اس کے سامنے آ رہی تھی۔  
”میرا سے بآہنا با“ بزردار تارا نگھنے پر وہت کو مخاطب کرتے ہوئے  
کہا۔ — ”میں لا آہں اس ماں کے یار کر کر پڑھ کے۔  
”ہاں!“ کبیر نگھنے عایی بھری — ”اس کی بیہن کے بیاہ  
میں جوڑتے کھاتا پھر دو!“  
”ہم سب پلتے ہیں ہا جگو بھی تیار ہو گیا۔

دیکھا تا بولا — اتنے جوتے پڑے اس پے بھی بجا گیا!  
گریا اس سے ہہلے۔ اسے ٹیک کرنے ”سیدھے رستہ پر لانے“ کے سلسلے  
میں گاؤں کے لوگ اس سے ٹیڑھے ہو چکتے تھے۔ وہ تو چاہتے تھے اس کی ایک  
آدمی ٹانگ ہی توڑ دی جائے تاکہ چادر کے پنجھے اکر بھیجے تو پھر مل ہی نہ سکے چھ  
سات آدمی ہاتھ میں لٹھیں اور گنڈا سے لئے ہوئے باہر لپکے اور گیان چند منٹغ،  
قاون کا سرسری محافظت، صرف دکھادے کے لئے منع کرتا، سورج چاتا ہوا سب  
سے بیچھے ..... دیاں صرف عورتیں ہی رہ گئیں جن میں سُرمادانی بھی تھی جو  
مشکل کر اس دنیا میں لائی تھی۔

مردوں کو یوں بکھلتے دیکھ کر راز دا دیلا کرنے لگی — چھوڑ دو  
— ہئے نی! بمحض چھوڑ دو، میں نہیں پھوں گی۔ ”اور یہ سب ٹھیک  
ہی معاдум ہو رہا تھا۔ راز بیچھے کی طرف گری اور بیٹے ہوش ہو گئی۔ عورتیں اسی  
شادی کے لئے رکھے ہوئے گھر دوں میں سے یانی انڈیل انڈیل کر راز کے منہ  
پر جھینٹے دینے اسے ہوش میں لانے لگیں۔ گویا ذہ کہہ رہی تھیں اس نے حوت

دیکھی ہے تو اب شادی بھی دیکھے .....  
 مغل کو لوگوں نے فارم کی ساتھی پیاس میں جا پڑا۔ وہ پہلے ہی بہت سی  
 مار کر کچنے کے بعد مذہبی ہو چکا تا اب دہشت سے اور بھی نہم جان ہو گیا۔ وہ  
 پاہتا تو آٹا لے کر بہیش کی طرح سڑاہ یا ستو کی کی طرف مغل جاتا لیکن خونی قسمت  
 ” اس مرنسے کی بھی کوئی استہزا کی صاحبانہ نہ ڈھنگ دیا تھا۔ بھی اپنی  
 بندی ہوئی اکاڑی کے ساتھ کچھ فاصیہ پر کھڑی ہری چری اور موکھہ کھارہ ہی  
 تھی اور موقع پڑنے پر ساتھ والے کھیت میں لہلہاتی ہوئی گوار کوئی منہ ماریں گا۔ دلوں  
 والوں نے مکنات کا خیال رکھتے ہوئے بھی کے پاؤں میں رہے کا یہ بڑا، موٹا سا  
 منگل ڈال دیا تھا اور اس پر ملی گزدھ کا تالا ..... اور اب دھبے فکر  
 ہو پکے تھے۔ مغل کا خیال تھا اس کے یارِ غار — زاب، اساعیل اور گرد داں  
 دغیرہ میں اس سلنج سے بچائیں گے لیکن اسے کیا معلوم کہ دھبے غیرت بھی کٹلے  
 کے باقی لوگوں کے ساتھ میں جائیں گے اور بار بار ہی کہیں گے — آخر  
 خورت ہی کی بات ہے نا، یار! — کوئی موت کی تو نہیں .....  
 منگل چہاں چپا تھا رہا سے دو ہاتھ درخانقہ دا لاکنزاں تھا جہاں اُن  
 سے چند ہی برس پہلے منگل کے بڑے رکھانی میلو کے کافل ہوا تھا۔ جب شام کے  
 وقت، سمجھ سے پہلے ہی گھب اندر ہمراو گیا تھا اور ایک دن پہلے سورن جنے  
 زمین کی لکائی پر خون کے چھینے ڈپھنیک دئے تھے ..... اس مٹی سے اب  
 بھی خون کی بوآ آرہی تھی .....  
 منگل کیاس کے لفڑ میں ایک تیک دیاریک گزدھ میں بیٹھا شکرانہ

دوسرے میں بٹا، پھٹی پھٹی آنکھوں سے باہر دیکھ رہا تھا جب کہ گاؤں کے رگ پہنچ گئے۔  
..... سردیوں کے موسم میں کبھی کبھی کوئی ٹلہ گاؤں میں کوئی بھیرتا یا جنگلی سورا نکلتا تھا  
اور لوگ اسی طرح لاٹھیاں اور چھپویاں، ٹوکے اور گنڈل سے لے کر سے گیرنے والے  
کے لئے محل جاتے تھے ..... اور آنکھی وقت دم لیتے جب بھرے ہوئے

جانور کے پرخچے اڑ جلتے .....

لوگ اگر سامنے کھڑے ہو گئے۔ محل کو بھر دی میں درہ انھوں کے بیل جھکا داد،  
کے عالم میں سب کو دیکھتا ہوا عجج ایک جنگلی سور معلوم ہو رہا تھا۔ وہ نہ تباہ تھا  
ماقی سب کے سب مسلح۔ کہاں تو لوگوں نے خورے آسان سر پر اٹھا کر کھا تھا اور  
کہاں وہ اب اگر سامنے کھڑے ایکا ایکی چپ ہو گئے تھے۔ ایک دوسرے کی گھنول  
میں دیکھ رہے تھے اگھور رہے تھے — دیکھیں پہلا دار کون کرتا ہے؟  
شکارگر طرف پیٹا ہے ..... ؟

محل کا نزدیکی کاپنے لگا اور لوگوں کے دل دھک دھک کر نکل کچھ دیر کی  
فاموشی کے بعد محل نے فدا می خبیث کی۔ لوگوں نے ایک دم فائٹ ہو کر خالی زمین  
ہی پر لاٹھیاں بر سانی اور ٹوکے چلانے شروع کر دیئے ..... ایک شدید ڈلنے  
ان میں ایسا جوش، الیسا طاقت بھر دی کہ زمین میں بڑے بڑے ٹنگاف ہو گئے۔  
ایک بار بھر دی ایکا ایکی چپ، ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ شکار اور شکاری!  
محل کے اپنے دوست، اپنے ساتھی ہائے ولے گور داس نے جی کڑا ایکا اور آگے  
ٹڑھتے ہوئے بولا — ”دیکھتا ہوں یار، کون سا جگتا ہے؟“  
گور داس کے ٹڑھنے کی دیر تھی کیسی سنگھ، جگو، نواب، اسماعیل جھبٹ

پڑے۔ ان کے چھپنے کی دیر تھی کہ محل نہیں میں سے نکلنے کے لئے پکا۔ پھر متداول، ہر ادال اور قلب سب طرف سے لوگوں نے اسے آیا جس کے ہاتھ میں لاٹھی تھی! وہی جس کے ہاتھ میں جو تائھا جوتا تھا، انکل پر برسلے نکلا۔ اگر وہ کچھ کرتا تو گنڈا سے اور ڈر کے بھی تھے.....

شور شراب میں گر راہ گیر جمع ہزگے ..... محل کو بالوں سے پکڑ کر بیج  
کھیتوں اور کھلیاں کے گھیٹا جا رہا تھا۔ سکھ ہونے کے ناطے مزدرا تارا خنکہ۔ اکبر سنگھ کا ذمہ  
تھا کہ بالوں کی بے حرمتی سے بچلتے لیکن یہ کب کرنے میں وہی میش میش تھے اور  
اس میں ایک مرزا اور انقاومتے رہے تھے۔ گھیٹے جانے کی اذیت سے لیئے آپ کو  
بچانے کے لئے منگل کچھ دند تک اپنی مرضی سے ساٹھ چل لیتا، لیکن پھر ٹینپے کی  
صرف یہ پہنچنے لگتا جیسے کسی اڑیل ڈیکھ کروپانی پلانے والے جا رہے ہوں .....  
ان کے بدن پچھٹے ہوئے پکڑوں، بلیں بلیں کیسوں اور داڑھی میں دھر کونے کی  
بھاڑیاں، کپاس کی من چھیاں، مکنی کے ٹانڈے، خشک آک میں سے اُنے والی  
ڈھی مایپاں اور نہ بانے کیا کچھ گھستا آرہا تھا۔

جو ہزار در دھرم شالہ کے بیچ تک پہنچنے پہنچنے پر جلوس خاہاڑا ہو گیا۔ مسافر  
درک کے ایک طرف ڈک کر جیرانے سے دیکھنے لگے۔ لیکر کی باڑ کے بیچھے سے  
اپکر ایک راہ گیر عورت نے گاؤں کی ایک میار سے پوچھا —

“اے ائے نی نی سنگھو۔ — یہ کیا ہو رہا ہے؟”

سنگھو نے عورت کی طرف اس نظر سے دیکھا جیسے کہہ رہی ہو۔

— ہو ہے، ابے بے! اتنی سیانی ہو کے تو یہ بھی نہیں جانی؟ اور بولی —

شادی با اور پھر وہ لوٹ کر بول دیکھنے لگی جیسے کوئی بات ہی نہیں۔

کر ٹھنڈے سے دُور، دلشنودیوی کے پہاڑ کا خالک اپ بھی دھنڈ لاسانظر آہا تھا — اس وقت ضرور دہلی بے شمار جاتی پہاڑ کی پر کر مارتے ہوئے بارہے ہوں گے۔ کیوں کہ اسی پور نیا کو دلشنودیوی میں جاتیوں کا اکھڑھا دوہ ضرور ڈھوکیاں اچھیں بچلتے ہوئے گارہے ہوں گے — بچا ناہر تو بچا اور امبا جی! یا بیوں کے بچلنے کی یہی بیلائے ..... جلتے بچلتے ہوئے انہوں نے ضرور دمکتن کی ہفت دیکھا رومگا اور ضرور — ان کی نظری کو ٹھنڈے گاؤں کے دھنڈنے لئے اندھیارے سے ڈکر کر لوٹ گئی ہوں گی .....

گاؤں کے باہر یہی ایک نیسب تھا جو سرخ گیان چند اور اس کے مردودوں سے ٹھنارہ گیا تھا جس میں مغل — مار کھانا ہوا۔ مغل بے سدھ ہو کر گر غیا۔ یہ وہ مگر تھی جہاں بڑی بڑی کیتوں اور کھدا لوں سے کھداں کر کے جو ہڑکے پانی کو اندر لا لایا جاتا تھا اور پھر مشی کی گول گول سدھوں کی مدد سے اور جملہ اڑاٹین کی کیا ریوں کی آبیاری کی جاتی تھی جس کی وجہ سے اس کی کھیتیاں سدا بہار رہتی تھیں۔ پھر ان پر پھروانہ کی سناتی ہوئی جاؤ جس میں بے شمار مسافرست اچکے تھے ..... اس وقت کچھ دنوں کے لئے بند باندھ کر پانی کو روک دیا گیا تھا لیکن مغل کے چاروں شانے چت اس میں گزے سے بند ٹوٹ گیا اور جو ہڑکے پانی کے نے راستہ بن گیا اور پانی تیزی کے ساتھ اندر آئے لگا۔ اس سے پہنچے کہ لوگ مغل کو اٹھاتے اس کے پھر ٹرے پانی سے گیلے اور منہ تکمیل پت پت ہو چکا تھا۔ مغل نے ہمیں بار

لپنے آپ کو چھپڑانے کی کوشش کی لیکن آہن دس مصبوط بازوفیں کی جوڑیاں لپنے  
گرد پاکروہ شرایب کی طرح بنکارتا ہوا رہتے پر ہو لیا۔

عجیب ساد و لھا تھا۔ بال کھرے ہئے اور سر پسے پگڑی ندارد...  
ماختر میں گندھی کریاں، سہر دن کی جگہ جہاڑیاں اور کلتے ہیں کیسے کچھیں دن  
کی جگہ تیج کے لودے، آنکھوں میں محنت کرنے کی بجائے نفرت اندرات  
اور ہنریت کے آنکھوں اور گدلاں... .... اور عجیب سی برات بھی شیروجی  
پاروں کو لپنے آئے ہوں... .... گلے میں رو د راکش کی الائیں، اور  
سانپ میں دھتورہ اور بھانگ، اکمر میں ٹکوٹ اور کانڈھے پر مرگ جھالا اور  
ہاتھوں میں تر شول... .... برائی بندرا اور ٹکوٹ شیر اور چینے اور ہاتھی  
..... اس پہ شہنماں کے بجائے ایک عجیب طرح کی کاہش اور خواہش،  
وخت اور ثہوت پیدا کرنا ہی کہیں کی بعنیاہ مٹ اور کئے کی شین کی گئی...  
کو... .... کو... .... کو!

جب منگل کو رانو کے ساتھ بٹایا گیا تو وہ لمبیاں تھا اور رانو مکمل طور  
پر بے ہوش لیکن سب ٹوڑنے کو یقین تھا، آخر میں سب بھیک ہو جائے گا...  
اگرچہ چادر کی رسم معمولی ہوتی ہے اور اس میں بہت کچھ نہیں کیا جاتا لیکن یہاں  
چزوں اور پورن دلی اور دیبا اور لگنی اور چندی نے مل کر ایک پوری نادی کا  
سامان کر دیا تھا ————— ورنہ وہ سب فلاح چاہا... .... لڑکا ہم  
ٹوڑ پڑکی کے یہاں جا کر اسے بیاہ کر لاتا ہے لیکن اس وقت لڑکی کا ایک بھی  
یہیں تھا اور سسرال بھی یہیں... .... آنکھا بھی یہیں پچھا بھی یہیں... ....

پورن دئی باہمی، دو دیا اور کچھ دوسری عورتیں لڑکی کے ماں باپ — مائیکے کی طرف سے ہو گئیں۔ جندان، چزوں، سردوپو، جنڈی اور سُر اسٹرال کی طرف سے۔ سب ایک دوسرے کی سہمنیں بنی، آئنے سامنے صاف آلا ہو گئیں جیسے کوئی لڑائی لڑنے جا رہی ہوں۔ ماں کی حیثیت سے جندانے اپنے تعریفیا بولپے سے منہ کر جوش دی اور گھوڑی مکانا شروع کی —

ارے بنتے ا

چھوٹی چھوٹی بوند نیاں بینہ برس رہا ہے  
سہاگن ماں تیرے شنگن منار ہی ہے!

اور پھر اس نے ہاتھ اونچا کر کے چزوں، سردوپو اور سُر اسٹرال غیر کی طرف اشارہ کیا جو ایک ہی ساتھ شروع ہو گئیں —

بہن سہاگن تیری گھوڑی کی باگ پکٹے ہوئے ہے، بنتے ہے.....

مجابی سہاگن سُرہ ڈال رہی ہے

اور باپ تیرا، زر کی تھیلی کا منہ کھولے کھڑا ہے!

اسی وقت بڑی، بھائیوں کی قطار لئے چھت پہ چلی آئی۔ چھوٹا چھوٹا  
چھپے آنے اور باپا سننے پر محل رہا تھا۔ بڑی اسے منع کرتی، مارتی رہی، لیکن اس کا اپنا جمی وہ سب کچھ دیکھنے سننے کو چاہ رہا تھا۔ چزوں موسی کے ہال سے بخلنے،  
کوئی بخلنے کی دیر تھی کہ سب ہی چھپے آگئے اور منڈپ پر کھڑے ہو کر ابی ماں کی شادی دیکھنے لگے۔ بڑی پہلے آٹھ آٹھ آنسو روئی اور پھر وہاں کا زمک دیکھ کر ایک بچی کی طرح سب کچھ بھول کر اپنے کی طرف سر کئے لگی۔ دو دیا نے چلا کر کہا: ابجوا۔

سچائی کیوں نہیں ہے؟ اس پر سب نے اپنی اپنی آواز بلند کر دی۔ تارا نگہ، گیان چندا  
دیوانا، بکسر نگہ، چکرو، رلرو، دُلاؤ، جلا، اور گاؤں کے مصلی جو کچھ دور کھٹے چور آنکھوں  
سے دیکھ رہے تھے، ایک دم بول ائے۔ — کاؤ! — کاؤنا۔  
..... اتنے میں راؤ کو ہوش آگیا؛ اور وہ چھٹی آنکھوں سے کیا مردادر کیا یورت  
سب کو دیکھنے لگی، جیسا کہ دہن کھی نہیں کرتی۔ دو ڈیاں نے گیت اٹھایا اور پھر باتی  
بھی سب کی سب شامل ہو گئیں۔

بیلی بیلی والی تیری گھوڑی چرے  
اور میرا بنا — پک کر گھوڑی پر سوار ہو  
اور چھوٹی سی بون کوئے کے محلوں میں آئے  
اور پھر منتظر رہا کی والوں کے لال ہنخ گیا۔ پورن دلی نے سہاگ شروع  
کئے — رانی کے باپ کو خطاب کرتے ہوئے —

بابل! اب تھے نیند پیاری ہے؟

ارسے! اگھر میں کنیا کنواری ہے!

سدر بھی تیری برمائیتی ہے؛ ذرا مانگتی ہے، اچھا اگھر مانگتی ہے  
ایپر کس نے منہ پر سمجھی گول کر کے باجے کی آواز نکال دی۔ اس پھر کیا تھا سب  
تجھے گئے برات آئی خوب ہی دھماچو کڑا میں جی۔ گاؤں کے سب بوڑھے بچے،  
مردیوں تین سالمنے کے کھملے بیدان ہیں، کمزیوں کے ان پر، کوھڑوں کی چھت پر،  
درختوں کے اوپر، یہاں وہاں سب جگہ ہمچ کر بیٹھے گئے۔ پورن دلی اور اس کی  
طراز سامن دیباں برات کی طرف اشارہ کر کے آئے ہوئے ہمہ اذن کو بندہ سو را

بُرڈے اور جانے کیا کچھ کہا اور ایسا کرنے میں ہاتھ پہنے اپے مردوں کی طرف اٹھائے  
جس بڑے خوب ہی کھلی پڑی..... سہر صیاں ناچیں، دُو میاں تقریباً .....  
جب ہی پورن دی نے اپنی باہنہ الاری اور وہ نظارہ گاؤں کے لوگ آئے تک  
نہیں بُرڈے کیوں کہ جو لی کے تنجے سے پورد کی دلاتی آنگیاں نے آنکھیں ماری تھیں  
پھر اس نے دَیا کے ساتھ مل کر کئی نکیں اور رچلی سُٹھیاں دی تھیں —

پودینے کی کروکڑا ہی رے  
منگل کی ماں، رندھی کی بیٹی آئی رے  
ہمارا اچھا کرا را پو دینے !

اس پر نواب کی بیوی عائشہ، جہلم اراضیں اور اس کی تینوں بیٹیاں ہائشہ  
خاتمی اور سلامتی بھی شامل ہو گئیں جیسے پودینے صرف انہی کی ملک تھی .....  
اور سب ناج ناپاچ اُبھیں —

ہمارا اچھا کرا را پو دینے !  
مھالمحول والا پو دینے !

منگل کی بہن تھلنے داروں سے چھڑائی رے  
پودینے کی کروکڑا ہی رے .....  
پھر منسی، بھیں، کلکاریاں جن میں مرد ہی شامل ہو گئے ..... بچے بھی

اور بُرڈے بھی ..... کون کس کی چڑی۔ کھنچ رہا تھا اور کون کس کو کلا دے میں  
لے رہا تھا، یہ کسی کوتاپا نہ چلا۔ پورن دی جائے کی بانہوں میں پڑی تھی اور وہاں پھل محل پیل  
گئی۔ دَیا سروپو کو پیٹ پیٹ رہی تھی ..... بُرڈی تنجے آگر جو کھڑی ہوئی

تو اسے کسی طرف سے دھکا پڑا اور آنکھ گیان چنگوں میں جا کھلی جو اسے بڑے پیارا بڑی ہی شفقت سے بچنے رہا تھا۔

جب ہی چادر پہنچی اور شادی ہو گئی..... ایکا ایک سب خاموش گھر ہے ہرگئے، کیوں کہ ڈولی رخصت ہونے کا سئے آگیا تھا میکے والیوں نے کانا شروع کر دیا۔

بابل! اب تیر کیا دعویٰ ہے؟  
دولھا کا باپ ڈول کی بیان پکڑے کھڑا ہے، اب ہوئی اس کا!  
بیبا! بترا بکیا دعویٰ ہے:  
دولھا کا بھائی ڈول کے بازو تھامے کھڑا ہے، اب دعویٰ اس کا!  
اوہ پھر ایک — واحد بین لڑکی کا

بابل!... طاپخوں میں میری گردیاں سمجھی ہیں لیکن مجھے کھلئے کا چاہا نہیں  
بابل! انگریزیاں بیان دہاں سے بچے ملنے آئی ہیں لیکن مجھے ان سے بھی ملنے کا چاہا نہیں!  
..... ہائے ردتی ماں کی انگلیاں بچ گئی اور باپ تو دریا رور ہاہے۔  
پھر منہ دکھائی اوہ جگہ سنائی ..... آخر سر حور ڈنی!  
پہلے رانوگرا اور پھر مغل کو سکرداکر کو ٹھہر فی میں دعکلیتے ہیں باہر سے الالگ کا دیا گیا جسے چوتھے، دونوں جڑوں ایک بھائی اور بڑی دیکھ رہے تھے اور اپنی آنکھیں جپک رہے تھے.....

## ۷

اس رات رانو ایک بہن بیوی اور ماں کی طرح منگل کے زخموں پر سینک کرتی رہی۔ باہر تو جائے سکتی تھی، اس لئے وہی دوپٹے کو منہ میں ٹھونس کر دوہ اس میں لپنے گرم گرم سانس کی دھونکنی چلاتی اور منگل کی سرجن پر رکھ دیتی اسے آرام بھی آرہا تھا اور زیج نیچے میں دہ کر رہا بھی رہا تھا۔ کبھی کبھی درد بغیر پیاس نے، بنا جردار کرنے خور کی تھوڑیں میں کہیں گم ہو جاتا تو منگل کو رانو کے ہاتھ عجیب سے لگنے لگتے شاید ان ہاتھوں میں رچی ہوئی مہندی کا رنگ اس انڈہی سے بھی تیکھا تھا اور بُو اس کھٹے سے بھی تیز جو سردی اور گرمی کے ملاپ میں ایک دم مہک اُٹھتا ہے اور پھر دل میں ایک عجیب طرح کی ان کیسی، آنکھ میں عجیب طرح کے ان بھے چھوڑ کر چند ہی دنوں میں پت پھر کا تکارہ موجاہد رانو کیسر ہوں چکی تھی اس کے بچے کہاں میں؟ کیسے سرے ہیں؟ ان میں سے کسی نے کچھ پیٹ میں ڈالا بھی ہے یا نہیں؟ ایک بار جمیوں کی شبیہہ لیکر کر اس کی سوچ میں آئی اور پھر دیسے ہی لپنے آپ چلی گئی۔ یہاں جو کچھ ہو رہا تھا وہ پھوٹے کہیں بالا تھا، جمیوں اور اس کے ساتھ کے لاگھوں کروڑوں بالک اس کا ایک حصہ تھے، اور اس کبھی نیچے میں منگل بدک کر پھر موڑ لیتا تھا۔ پھر رانو ایک ہرف باکر بیٹھے

باتی اور دبی دینی سسکیاں لیئے لگتی جو محلیت سے پہلے ہر عورت کا مقدار ہوتی ہیں۔ ایکا ایکی سسکیاں ملیں بلکن کھڑا کی کھول کر پانی کے لئے کھنے کی بہت نہ ہوئی... چھر مغل بھی آٹھ کربیڈ گیا اور انہیں میں اور ادھر کیجئے لگا۔ ایکا ایکی اس پر کوئی پانی کا مگر آیا اور دونوں ہاتھوں سے اُس نے اپنارہا سہا کر تابھی پھاڑ دیا۔ میں مر گئی ”رازو جلائی اور اس کے پاس ملی آئی۔

”پرے ہٹ جا“ مغل نے دھکایتے ہوئے کہا۔ ..... پچھلی رات راز نے محل کے پاؤں پکڑ لئے اور ان پر سر کھتی رونی ہوئی بولی۔

”تو تو جانتے ہے منکلا اس میں بیرا کوئی قصور نہیں۔“  
مغل جواب تک صحن ہو چکا تھا بولا۔ ..... جانتا ہوں؟ اور پھر  
ذبیح کس جذبے سے اس نے راز کا ہاتھ بکڑایا۔ انہیں میں مسلسل دیکھتے  
ہے سے اسے پتا پتا، سوری سوری دکھانی دینے لگی تھی۔ .....  
رازو نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں رہنے دیا اور دھڑکتے ہوئے دل سے  
انتظار کرنے: دیکھنے لگی، اس کی تقدیر کا ساتھی، اگلے لمحے، اس مہندی روپے ہاتھ  
کو ملنے کر خست چھلتے دلے ہاتھوں میں رہنے دیتا ہے، یا جھٹک دیتا ہے؟  
بلکن، ایسا تو کچھ بھی نہ ہوا۔ محل کا ہاتھ بھی اپنے آپ پرے گز گیا اور ساتھ راز  
کا بھی۔ ..... باہر لوگ ہمیشہ کی طرح یہی بھتے ہے۔ ..... شادی  
ایک مسلسل شب زفاف کے سوا کچھ میں نہیں۔ کچھ لوگ تو ہرے ہی سے نہ جانتے  
تھے اور جو جانتے تھے ان محوں کو بھول پکے تھے جو ان پر بھی آتے تھے۔ جو پیدگی

اسیجان اور اہمتر از دو دلوں کے بینے پیدا ہوا تھا۔ شب زفاف کی لذت اس کے مقابلے پر الی ہی تھی جیسے کوئی مفرد صہ حالت سے مہریں اٹھنے جائے اپنے ساتھ پوری انسانیت اور اس کے ذقار کو اس کے قدموں پر جاگر لئے اور اس کے عوف میں ایک درڑی پلئے ..... اس پر بھی دعائیں دیتا ہوا اگھر جلا آئے۔

مجھب را نوادہ بھل جائے تو کسی نے تالا کھول دیا تھا۔ بھل اٹھا۔ اس نے چلنے کی کوشش کی لیکن دو ہی قدم کے بعد راہتہ ہوا رٹ آیا اور روئے ہوئے کہ اپنے عروسی بستر پر گر گیا۔ راز بھاگ کر راہز ہی اور جاکر راں جندال کے پاس کھڑی ہو گئی۔

”کیا ہے ہو؟“ جندال بولی۔

اس پر راز نے کہا۔ ”جنتدارے کی چابی دو ماں؟“  
”دو کس لئے؟“

”ہلدی نکالن لیے، اسے بہت مار لگی ہے۔“  
جندال نے اپنے دو پٹھے کے پتوں سے چابیاں کھول کر راز کو دے دیں۔ جنکے کی طرف جانے کے بجائے راز برا آمدے کی طرف پکی چہار بیچے آمدے نگئے آدمی ڈھکے ہوئے سورہ ہے تھے۔ رانی نے باری باری سب کامنہ چوٹا اور ان کے بازوں مانکروں میں اڑی ہوئی چادریں کھینچ کھینچ کر ان کے جھموں کو ڈھانپا۔ بھلابی سی ہڑی سے ہاتھ رازوں میں دیئے، مُکڑے ہوئے پنجے ایک تکسین کے احساس سے نیچے ہونا شروع ہوئے لیکن جب رانی ہڑی کے پاس ہہنچی تو وہ جاگ رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ راز اس کے سر پر پارے ہاتھ بھیرتی، ہڑی نے اپنے ابرٹے بڑے لخنوں سے ان کامنہ نوچ لیا اور بولی۔ ”جا تو۔“ اسی سے منہ کا لاگر دا جہ۔

رازو پر پہنچے کیا کم گز ری تھی کہ اس پر بیٹھی نے بھی منہ زرع لیا اور تو بڑی کو  
یہ بھی نہ کہہ سکتی تھی — بیٹھی! ایترے ہی لئے تو میں نے یہ سب کیلئے ماہد  
تو اور، تو بھی؟ لیکن اس کے پاس یہ سوچنے کی فرصت ہی کہاں تھی؟ وہ تو بھی  
نہ سوچ سکتی تھی — اس کی بیٹھی، اس کی اپنی بھے اس نے تو مہینے پہٹ  
ہیں رکھا، ہزار بار اذیتیں سہہ کر آخڑا یک دن جانکا ہی کے مالمبی اس دنیا میں لائی  
ہے بیاد میلے سے دھوتی رو تی ہرنی پالا، بڑا کیا، اور اب بڑی ہو کر اس نے منہ ہیں  
زپا — پھول بر سلے ہیں! رانی ایک گنڈا اور خالی ذہن کے ساتھ اندر  
ہڈی بیٹتے کے لئے ملی گئی، جسے نکال کر اس میں تیل ڈال کر تو یہ پکا یا لو  
پھر، محل کی چوڑیوں پر بازدھنے کے لئے چلی..... اندر ہپنی تو مشکل دہان  
نہ تھا۔ شاید اجنب رانو اپنی ساس کے پاس تھی، وہ کہیں نکل گیا تھا۔ رانو دوڑ کر  
باہر دندوانے تک گئی — محل نکا کہیں سایہ کیک نظر نہ آیا۔ البتہ ڈبو پاس  
اگر دم ہلانے، چوں چوں کرنے لگا اور لگے پنجے اٹھا اٹھا کر رانو پر رکھنے،  
جسے کہہ رہا ہو — میں جانتا ہوں رانی! ایترے سالخہ کیا ہوا، سب بیٹک  
ہو جائے گا، آخر سب بیٹک ہو جائے گا.....

چوناں روز سوریہے مندر جایا کرتی تھی اور صبح کی دودھیا خلگی پر اس کی لعاز  
ہیرتی ہوئی آیا کرتی — سنال تیں رام نہ جانیا ہے!..... لیکن  
آج مندر حلیہ نہیں بیٹے وہ سیدھی رانو کے ہاں پلی آئی۔ رانی بھی اے در دنے  
میں کھڑا ہیں، چھوٹتے ہی چنول نے پوچھا —  
بیریں رانی؟ سب سکھ ہے نا؟

رائی چپ رہی۔

”بُول نا“ چنوں پوچھنے لگی۔ اس پر بھی جب رانی کچھ نہ بولی تو جنون نے ائے  
مجھ میوڑتے ہوئے کہا ”بُول، رات کچھ ہوا؟..... ہے کسی گفتگو نیا  
منہ میں ڈالی ہیں؟“

جو گفتگو نیا رانو نے منہ میں ڈال تھیں، ان کے ہارے بھی کسے بتائی؟  
اس کھو لئے یا نی کی پیش اور میں، جن میں اُس کے عذباٹ، ان کی کاشت اور  
حاصل برداشت کا دانہ دانہ تک اُبیل گیا تھا، علی گیا تھا، چنوں کوں الفاظ میں  
بیان کرتی؟ پنج دیجھتی پھر کئے ہو موڑ کے ساتھ رانی بولی — ”رات  
کچھ نہیں ہوا۔“

چنونے غور سے رانو کے چہرے کی طرف دیکھا اور بولی — ”جھوٹ  
بکتی ہے ب..... ھلدار اچھا تیرے منہ پر یہ ناخنوں کے نشان کیسے ہیں؟“  
مُھنڈے پسینے کے قدر رانو کے چہرے پیچے آئے: درود کچھ نہ بولی۔  
کچھ دیر یوں ہی بیکار، شرم ساری کھڑی رہنے کے بعد جسے دھا بیکا ایکی اُبیل  
پڑی: توجہ کہتی ہے، چنونے تھے اس کی ضرورت نہیں — میں تو تن  
ڈھلپنے کے لئے دو کپڑے مانگتی تھی، بھیناں! ..... پیٹ میں ڈلنے کے  
لئے دور و ڈیاں ..... پتا نہیں واہکھو پر ما تکا کہا منظور ہے؟ دیوی  
ہل کیا چاہتی ہے؟ — دھا ب پھر حلا گیلے ہیں .....

”ہے رام!“ چنونے تیچے گلی کے اندر ہیرے کو صاف ہوتے ہوئے دیکھا  
اور کہنے لگی ”کہہ رگیا مُوا، تبت پلتا؟“ اور بھر اکب دم کسی عملی کا لحاظ نہ رکھتے

ہونے بولی : میں منزہی ..... یترب سلمت تواب بھے ایسا نہیں کہنا چاہیے ۔  
 راز مسکرا دی — جیسے ردرہ ہی تھی بارہ دی، جیسے مسکرا رہی تھی.  
 چون راز کو دلاسا بنتے ہوئے کہنے لگی تاں کی تو فکر نہ کر رانی ! جیسے وہ  
 گیا ہے، بی بایا ویسے ہی آسمی جائے گا ।

— اور دوپہر کے قریب محلِ صحیح ہی چلا آیا۔ اس نے زاب کا گرتا پہنا ہوا تھا۔ اسماعیل کا صاف اور گور داس کا گامے شاہی جوتا۔ بدن پر مٹانے والی تیس۔ اس کا خیال تھا گھر کی ہلدی دلداری سے کچھ ہونے ہولنے کا نہیں، اس نے وہ صحیح کے پہلے ہی پھرے میں اسماعیل کے ساتھ اس کے اکے پر لکل گیا تھا۔ الہڈ کے بڑے اسٹال میں جا کر پڑی گرد آیا تھا ..... صحیحتے کچھ پیٹ میں ڈالا تھا یا نہیں، خدا جانے ..... کھل سے تو صرف ارکھائی تھی اور پر ..... خادی کی تھی!

دن بھر مشقی کھاٹ پر بھیاز میں کے تنکے گنتارہا۔ کبھی دزن میں اپنا آپا لے ایک تنکے سے بھی ہلکا معلوم ہونے لگتا اور کبھی پوری زمین سے بخاری پھر کبھی بیچ میں جھوک کر، انگلی سے وہ پچھی زمین پہ اونسباں۔ قہمت کی لکیڑی کھینچنے لگتا لیکن جب انہیں گنتا تردد جفت ہی آئیں اکونی طاق نہ بھینتی قہمت کہیں راستہ نہ دیتی۔ جھلکاگر، با تھر پھٹھلاستے ہرے اس نے مپنے بھاگوں کے سب لیکھ مٹا دیئے اور راٹھ کھڑا ہوا۔ ایک اضطراری کیفیت سے چہرہ صاف کیا تو دھول منہ پر جلی آئی۔ اپنی طرف سے صفائی کے کھل میں وہ اور بھی گزدا، تقدیر الود نظر آئے تھا۔

جب ہی اخراج اشکار دہ بھائی پر لگ ریجھنے والے اگر خت آواز میں کامیں کامیں  
کرنے والے ڈھوڑوں — پہاڑی کروں کو اٹانے، کاؤں کے گولی جو کے  
آف ارہ کتوں کو ایک نیم جان، خارش زدہ کئے پر جھیٹنے سے روکنے لگا.....  
پھر ایک طرف سے کہیں آدمی درجن کے قریب نکلتے، ایک دوسرے پر جھیٹتے،  
خڑاتے ہیتے چلے آئے جنہیں بیکھڑتے ہیتے مکھ بول اٹھا — تین جیران  
ہوں پیارا!..... کوٹلے میں جو بھی مر تلے ہے، شاید کتابی بن جائے ہے.....  
کچھی دیوار پر سے دودھو لا دھار اور ہمار کے سلسلہ ہانے کوہ کہیں ایک  
دوسرے میں کھپ گئے تھے اور ان کے نیچے کہیں کہیں برف بھیتی ہوئی دکھائی دے  
رہی تھی۔ ان پہاڑوں سے ادھر دکھن کا وہ علاقہ تھا جس کی نیکریوں پر پہاڑی  
کے سوزنیں جنم لیا تھا کیونکہ یہاں کے ناشق اور معشووق کبھی آپس میں نہ مل سکتے  
ایک اس تجھکری پر ہوتا تو دوسرا اُس پر اور نیچے میں دریا ۔

پانی لوگ پہاڑ دے، پھر جن کے چت  
انگ ملا دا بھی بھی، نین ملا دا نت

اور ان کی جدایوں کا درد، راوی، چاب او جبلہم کے کارے  
کھنڈیوں میں ایک ایسا شاہ اور قادریار کے صورت میں ساندل اور بخنی بارے کے دل تک پہنچ  
چیا تھا ..... ایک ایک کر کے گزرے ہیتے راقعات مکھل کے دلخیزیں  
کر دیں گے۔ اس نے ایک سر جگہ بھری اور مرنسے کی آواز میں تکنالہہ کا ترے نہیں  
کیا، مہاجاں! — جو میری بھی کی اگاڑی باندھ دی بیسے تر و تر کش  
مانگ دئے درست ایک تیر سے تیرے بھائیوں کو کھیت کر دیا اور دوسرے

بیوں جی کو آسودہ کر کے، مٹکل اندر جا کر ریٹ گیا۔ جب تک فناہیں سے  
کشت دخون مکمل گیا تھا۔ صبحیں، دوپہریں اور شامیں دھلنے لگیں، اب بے دہ  
کوئی میلی دیواریں تھیں اور کوئی آسان کے دریلے درد سے مکلوں پانی لے کر  
کرزیں کی، جھاڑو سے انہیں دھواں کال رہا تھا..... رانی نے کہا تاپکایا۔  
بھر جاگ کر چنڈ کے ہال سے تھوڑا سا گھنی لے آئی اور ایک بیوی کی طرح  
اس کی بڑی سی مقدار دلی پر رکھ دی۔ وہ روٹی پتھر نگما نکلنے ہی دالی  
تھی کہ کسی چال کے آنے سے رُک گئی، شرما گئی اور ہاتھ سینج لانا۔

کچھ دیر میں، کھانا ڈالنے کے بعد اس نے بڑی سے کہا: جالے ۱۶۲

● بڑی نہ تھے پیلا کر شکنہ جوک دینے اور بولی۔ — میری جانز

جُنْتی :

رازوِ غسل ہو کر خود ہی نکھنے والی تھی کہ پاسِ میٹھا ہوا چبوں بول اٹھا۔ لام،  
میں فے آتا ہوں؟

رازو نے چبوں کی طرف درکھا..... جیسے یہ اس کا بھین تھا، اس کی معنوتوں  
ہی تھی جو راز کے دکھ کو سمجھ سکتی تھی۔ یہ بھین اور معصومیت بخوبی دن کردہ گناہوں بے ہیں  
اوپر تھے۔ راز کا جی چاہا سے چھاتی سے نکلے، بیخنے لے، یوں بیخنے لے کہ وہ پھرے  
اس کے بدن میں تخلیل ہو جائے اور اس دنیا میں نہ آئے جہاں..... جبکہ  
اس نے تھالی چبوں کے آگے سر کا دی اور خود دوپے میں منہ چھپا کر رونے میڈھاگی۔  
یوں دن بیت گئے۔ ہمینے بیت گئے۔ مشغل کے دل میں آہستہ آہستہ ایک  
فتے داری کا احساس جیسے اپنے آپ پیدا ہونے لگا اور وہ چارچار پانچ پلپنچ روڑ  
سماکر گھر لانے لگا۔ اگرچہ راز کے ساتھ اس کا میاں جیوی کارثہ نہیں تھا اس  
پر بھی وہ روپے لے لا کر ماں کے ہاتھ میں دینے کی بھلے راز ہی کے ہاتھ میں دیتا اور  
رازو خوش ہوا نہیں اور اداس بھی۔ ٹھس سے ملا ملا ایک ستحکام کا جز بہ اس کے دل  
میں جگہ پانے لگا۔ ٹھاٹھ بھر کی عورتیں، کیا چبوں اور کیا پورن دی، اکیا دیا اور  
کیا سرو پلوس بے نے کچھ ہوانی۔ — نی کچھ ہوا؟ پوچھ پوچھ کر غرب راز  
کا ناک میں دم کر دیا تھا۔ راز جو اپنے بھرپور اتنا ہی کہتی — — تزندیہ با غیر  
نہیں کرتی میرا گھر بس گیا ہے؛ رہنی کپڑا ملنے لگا ہے مجھے بے — اب مجھے  
کرنے اس گھر سے نہیں نکلے گا۔ کوئی میری بیٹی کو نہیں نیچے کا .....  
لیکن — — وہ سب شہر کی گئیاں یوں ہی جھوٹنے والی تھوڑے

تھیں؟ دیر تک وہ رانے کے ارڈر و بینٹاں تی رہتیں اور اس کے کوہلوں میں پھٹے دے دے کر پوچھتیں۔

“کیا مطلب؟..... ساری رات وہ ایسے ہی پڑا رہتا ہے؟”  
“اُنکے لئے۔

تاریخ را در ده آذر؛

”ترجی اے بُلڈنگ کی کوشش نہیں کرتی؟“  
”ہنس۔“

راں و رونگی ہوا تھی اور بول اٹھتی چادر ڈالی ہے تو کیا ہوا؟.....  
بھی دہ دیسے ری لگتا ہے، بیسے پہلے لگنا تھا۔

اس پر سب بنا کار اٹھتیں ۔۔۔ ”ہو ہائے !“ ”پھرے مز“ ”در لفت“  
ادر پھر دہی ۔۔۔ ”لہیں فینڈر کیسے آتی ہے ؟“  
”سے پہلے آتا تھا“

”وہ بھی سو جا مکھے بس — یا یہی؟“  
مال:

رات کو اٹھتا، اکڑتا — جاہی بھی نہیں لیتا؟“  
اس پر سب ہنس پڑتیں اور ایک دوسرے کو ”چھپیاں“ دینے لگتیں اور آخر

بمحاتیں — تو کچھ کرائشی جلنے کی، نہیں تو ہاتھ سے ہاٹا رہے گا؛  
پورا بھیج میں بول اٹھی — کہو تو مجھے ریک ٹُنالا دوں؟“  
”ہاں فی“ ودیا حامی بھرتی۔

”نہیں نہیں“ رانو کہتی — میں کوئی ٹُنالا دوں کروں گی؛  
”تو پھر مجھ کے روئے گی“ پورا تنبہہا کہتی۔

ودیا معنی خیز انداز میں پورا کی طرف دیکھتے ہوئے بول اٹھی۔ ”تو نہیں  
ردتی نا؟“

پورا ایک دم اپنی شرم اور لاج کو ایک طرف کھینتی، اپنی جوہی کی طرف  
شارہ کرتی ہوئی کہتی میری لاتی ہے یہ..... میں ٹُنکا نہ لاتی، میرا جسم جو پیدا نہ ہوتا  
تو یہی چاچا تھا رابحے گھرے نکال دیتا..... اس پر سب کھلی کپاس کی طرح  
ہنس ہنس پڑتیں اور یورن دی ایک بڑی سی آنکھ پیلا کر اسپ کو چاروں طرف  
دکھا کر مارتی۔ تپچی جنون بوجھ پلتی — باواہری داس کے کے دن  
رہ گئے؟“

”حسب ہی یورن دی چون کی جوہی پکڑ کر یوں کھینچتی کہ سب — میں  
مرگی، ہائے میں مرگی.....“ کے بڑا میں ختم ہو جاتا۔  
اُدھر نصیبوں ملے اڈے پر گور داس، زواب اور اسما عیل مشغل کی جان  
چھوڑ لے اکثر بوجھتے رہتے — یکبouں بچر کبھی لگی؟“ اور مشغل کا چہرہ ایک  
دم لال ہوا تھا اسے یوں معلوم ہونے لگتا جیسے کسی نے اس کی ماں نہیں کے  
بارے میں کوئی بات بے امتیازی ہے کہہ دی ہے۔ وہ چبپ رہتا اور بیکار بکی کے ساری

بخل کئے، یا مگروری کی تپکنے لگا۔ گرداس بات کو اگے بڑھتے ہوئے کہا۔  
”یعنی پوچھو تو دہائی کی بڑی سوچ ہوتی ہے؟“

”سوچ کیسی؟“ نواب نظر دیتا۔ یا اساغیں۔ یا کوئی اور  
”وہ پہلے ہی رسی بسی ہوتی ہے نا؟..... سب جانتی ہے؟“

اس پر سب مل کر ابا، ہو ہو کرنے لگتے۔ جس کے نیجے میں مٹھل کی بات دار آواز  
اکی..... ”مہم و تھاری ماں کا.....!“ اور سب ایکا ایکی چُپ ہو کر مٹھل  
کی طرف دیکھنے لگتے۔ صرف گرداس ہمت کرتا۔ ایکیوں کہ وہ تن دشمن کے اعتبار  
سے بیرون طاھا اور اس پر اقتدار نہ سے پہلے ہر کسی کو سوچنا پڑتا۔ وہ کہتا۔

”ماں بننے کے لئے بیاہ کیا ہے؟ اونتھے؟ چادر ڈالی ہے... . . . .“  
مٹھل ایک کڑی نگام سے اس کی طرف دیکھتا۔ لیکن معلوم کو پہاڑی بھجو کر  
چپ رہتا۔ بخوبی دیری گدلائی ہوئی فضاظ اف ہوتی اور اساعیل کوئی بیظیفہ شروع  
کر دیتا۔ یا کیفیت۔ ایک سردار جی کی اکنی بچپن میں گزر گئی؟“  
”پھر۔۔۔ پھر کیا ہوا؟“ نواب مٹھل کی طرف دیکھتے امزایتے ہوئے  
دوپھتا۔ جب ہمیں نیچے میں کوئی سوراہی پلی آتی اور نواب اس سے مخاطب ہو جاتا  
”کوٹلے پٹلے کی ہانی؟“

”نہیں دیرا“ مانی کہتی اور پلی جانی..... نواب پھر اساعیل کو بکردا تا۔  
”ہاں تو۔۔۔ سردار جی کی اکنی بچپن میں گزر گئی۔۔۔“

لئے وہ عحدت جس کی دوسری شادی ہو۔

• ہاں۔“ وہ بیان جاری رکھتا۔ اور وہ پھر پہنچتے ہوئے کچھ میں کو دپٹے اور لگے اکتنے ڈھونڈنے — اور اپر اتحاد اٹھا اٹھا کر کہنے — الشمل جائے! یا الشمل جائے — ایک مسلمین پاس سے گزرا۔ اللہ کا نام سن کر ٹھہر گیا اور بولا —“ اوئے سردار! تو ہمارے الشد سے کیوں کہتے ہے؟ پہنچے واہگوڑ سے کیوں نہیں؟ ..... سردار جی نے اپر دیکھا اللہ بولے — اونہاں اکتنے کے لئے واہگوڑ کو کچھ میں ڈالوں؟ ”

اس پر سب کملی مارکے ہنس دیتے۔ منگل بھی سکرا اٹھتا اور اسما علی لے اجازہ نامہ بھکر اس کے پاس پہنچتا اور کہتا —“ منگلا! یہ شیکھ ہے، سردار! نکے بارہ بجتے ہیں؟ ”

“ ہاں، بجتے ہیں۔ منگل اقرار کرتا۔

“ تیرے بھی بجتے ہیں؟ ”

“ ہاں، بیرے بھی بجتے ہیں۔ ”

“ پھر منگل کے جونڈے پہ اھر کھتے ہیں اسما علی پوچھتا

“ یہاں کچھ ہوتا ہے؟ ”

“ ہاں ہوتا ہے۔ منگل سچیا چھڑانے کے لئے ان لیتا۔ لیکن اسما علی اسی پر بس نہ کرتا۔ بات کو آگے بڑھاتے ہوئے وہ کہتا۔“ سن ..... یہ تھیں دن کے بارہ بجے ہی ہوتے ہے۔ یہاں کے بارہ بجے بھی؟ ”

“ دن کے ..... جو اصلی سکھتے ہے، اسے تو دن کے بارہ بجے ہی

ہوتا ہے ..... اتنے ہاں اور گرمی کمی پڑتی ہے۔ ”

تو پھر ——؟ اسما علیل کہتا : وہ اپنے گاؤں کا وساکھا نگہ ہے نا  
ترکمان ..... ، وہ تورات کے بارہ بیجے بہت تکڑو دکھتا  
شور مچا تھے :

مشکل جواب دیتا —— وہ حرام بادہ جرور  
سلمان سے سکھ ہوا ہو گا !

اور سب مل کر ہنسنے لگئے۔ مشکل کی آواز سپسے بیند ہوتی پھر زیج میں کوئی  
جاڑن چلی آتی اور سب مل کر لے پک لیتے۔ اس کی گھٹڑی نواب کے لئے میں فتنی  
جوئے مشکل کے لئے میں اور وہ خود گرداس کی باہنوں میں۔ اکثر ایسا ہوتا میاں ایک  
اگئے میں ہوتا اور بیوی دوسرے میں اور نیچہ تیرے میں۔ پھر بہت ہی گالی گلوچ کے  
بعد سب مل کر کسی ایک کا انکا بھر کر ردانہ کر دیتے اور خود دوسری سوار لوں کے تیچھے جلنے  
لگتے۔ مشکل کو اب عورتوں میں صرف نواری کی صفت کے لمحبی تھی۔ وہ کبھی کسی زوجوان  
لڑکی کو دیکھتا بھی، تو ایک سرسری نظر سے —— جیسے کہہ رہا ہو، اہالی سی  
بھی ہوتی ہیں ..... سلامتے میں اسے اب بھی دلچسپی تھی۔ اس روز کی کو عورتوں  
کی ڈاک سے پتا چل گیا تھا کہ مشکل اور اس کی بیوی میں انہی تک کچھ وہ نہیں ہوا ....  
..... وہ اور بن منور کے اس کے سامنے آتی اور سب روں کے اشائے کرتی۔ لیکن  
اندر سے وہ جلی بیٹھی تھی۔ اس نے فیصلہ کر رکھا تھا۔ ایک دن مشکل کی اپنے چھکل میں  
پھنسا ڈل گی —— ڈھارے کے پیچھے کپڑے اتر داؤں گی۔ اور جب وہ  
پاٹھ بڑھائے گا تو شور مچا دوں گی اور اس کی وہ بے عزتی کر داؤں گی کہ یاد ہی کرے ..  
..... اب جب کہ وہ بیوی والا ہو چکا ہے، اس کا منہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے

کالا ہو جائے گا.....

اُس دن نصیبوں والے اڈے پر منگل نے زاپ کے ساتھ پیلی..... لیکن ڈرتے ڈرتے۔ اپنے بھائی کے زلے میں تو وہ بولیں لندھا یا کرتا تھا لیکن اب وہ فدا تھا۔ اسے پینے کی خواہش تھی لیکن یوں بے تکمیل سے نہیں۔

رانو بھی عام عورتوں کی طرح تھی جو شادی کے پہلے ہی روز سے اپنے شوہر کے پہرے دیکھنا سمجھتا تھا۔ اس پر آئے والے ایک ایک شکن کو جاننے پہچانے لگتی ہیں۔ جب ان کا مرد کوئی گناہ کر کے آتھے ہے تو انہیں لامیاں بتا جائیں ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ کچھ نہیں کہتیں۔ باقیں کرنے میں وہ ان کی زیر زبر دیکھ لیتی ہیں۔ بلکہ چوکھٹ کے اندر پہلا ہی قدم ان کی پوری جاگہ پوری الف بیلی ان کے سامنے دھرا دیتا ہے..... اس سے پہلے بھی منگل نے دو چار بار پلی تھی اور وہ جان گئی تھی..... منگل کو بھی معلوم تھا کہ وہ جان گئی ہے..... لیکن، اس پر بھی فاموشی کا پردہ پڑا رہا اور ایسے ہی نجھتی رہی..... جوں جوں دن بیٹنے لگے، کاؤں کی عورتی، رانو کو ڈالنے نے دیئے گئیں اور وہ پچھنے لگی۔ — شاید یہ بھیک ہی کہہ رہی ہوں..... وہ ڈلنے لگی، اپنے مستقبل سے اپنے بچوں کے مستقبل سے کیوں کر نیچ نیچ میں منگل الف ہوا ٹھتا تھا۔ — ہٹاؤ یہ سب — کیا تاشہ نیار کھلے ہے؟

اور رانو کا نپ جاتی۔ وہ منگل کر کچھ بھی تو نہ کہہ سکتی تھی۔ اس پر اس کا حق ہی کیا تھا؟ — نہیں نہیں، حق تو تھا — پنجاہیت کی موجودگی میں کھلانی کے سب مرد عورتوں کی گواہی میں، اس نے مجھ پر چادر ڈالی تھی..... سو چیزیں

تو حق ہے بھی اور نہیں بھی۔ چادر کا کیا ہے ہے ۔۔۔۔۔ اڑھائی تین گز کا کپڑا ۔۔۔۔۔ ایسا  
کہیں تو شادی کے پھرے بھی کیا ہیں؟ یہ سب لٹیک ہے۔ نہیں، کچھ بھی لٹیک نہیں  
۔۔۔۔۔ تلو کا بھی ذمہ اس سے دو اتنی خالص نہ رہا کرتی تھی جو منہ میں آتا۔ مذہ  
سے کہہ ڈالتی۔ چاہے بعد میں مارہی کھاتی۔ میں مسے کوئی نہیں کچھ بھی کہہ سکتی؟ ۔۔۔۔۔  
مشکل رانو پر انگلی بھی نہ اٹھاتا تھا۔ سولئے رات کے، اس جگہ پر کھڑا بھی نہ ہوتا۔ جہاں  
رانو کی پرچاہیں پڑتیں۔ بھر بھی؟ ۔۔۔۔۔ اس کا کیا مطلب؟ ۔۔۔۔۔ پلو  
اچھا ہی ہے، مار تو نہیں پڑتی۔ پڑوں کو سینک تو نہیں کرنا پڑتا، لیکن ۔۔۔۔۔  
بہت دل کے سوچتے رہنے کے بعد رانو سمجھ گئی کہ وہ مشکل کو کبیں کچھ نہیں کہہ  
سکتی؟ دوسری عورتیں جوانا پنچاپ منہ میں آئے، بک بیتی ہیں۔ دن جھپڑا، رات  
نیبور کچھ نہ پچھاتگتی ہی رہتی ہیں اور اسے، الکے دینا پڑتا ہے ۔۔۔۔۔  
آج دن کچھ اندر باہر تھا جب مشکل قبصے سے لوٹا۔ سورج کی روشنی ابھی آسان  
ہر ہونے سے اشٹم کا بے نور چاند سیندھی پنگ کی طرح ایک کیکر میں الجھا رہا تھا۔ اُد  
اب اگئے کے ساتھ ساتھ بجا گتا ہوا ساہنیوں کی بخشنی کے اوپر، آسان کے کھلے میدان  
میں جا کر ساکت ہو گیا۔ جہاں مشکل اپنا اکار کو دیا کرتا تھا اور کمی کر تھوڑا جارہ دارہ اُال  
کر گھر چلا آتا۔۔۔۔۔ پھر لوٹ آئے، اسے کھر پا کرنے اور دانہ ڈالنے کے  
لئے ۔۔۔۔۔ باقی کا کام اگلی سورپریز ملتی ۔۔۔۔۔  
اکا اور بھی کا بندوبست کرنے کے بعد مشکل روٹا۔ جہاں وہ اکا کھڑا ایک کرتا تھا  
وہاں سے دایسی طرف فارم کی پندرہ پندرہ فٹ اونچی ایکو کھڑی تھی جس کے زیر میں سے  
چبوٹی بھی نہ گزر سکتی تھی۔ البتہ جیسا کہ، دن بھر اپنی ہی دم میںے لبیں نکال کر ایک

تلہ سانبلتے اور جھوٹے جملتے ایک گنگے دوسرے گنے تک پہنچ جلتے اور پھر اس کے رس میں ڈوب کر اگدے گنگے کر بپاں..... باہی طرف مکان شرم ہوتے تھے جن میں سب سے ادھر مدرسہ تھا اور اس کے ساتھ والامکان جہلم اماں میں کامیں کامیں کے ادھر جا کر اب پانڈھم گیا تھا۔

فنا میں سے ایک قسم کی خوشبو آرپی تھی بنگل جانتا تھا وہ خوشبو کسی ہے؟ ..... بات یہ تھی گاؤں کے کسان ہر سال اسی ہمینے رس نکلتے، اگر ٹبلتے اور اکیوں کے بیچ میں لخواری سی ٹکڑے فانی کر کے، زمین کھو دکے، ہر قطع سے بھرا ہوا مشکا اس میں رکھ دیتے اور کیکر کی چھال اس میں ڈال کر اور گیرا اور گھوڑے کی لید ڈال دیتے..... کچھ دن میں مشکا چلنے پڑتے، لگتا اور بڑھ کرتی ہوئی شراب مشکوں سے باہر ملپی آتی ہوا میں لس جاتی..... فنا کند ہوا ہٹتی اور معطر بھی.....

اب بھادوں اسونج میں ڈھل رہا تھا جیکہ گرم ہوا اور گوکے عادی جسم سرد ہوا کا ایک بھی جھونکا برداشت نہیں کر سکتے۔ ایک عجیب طرح کی چھین اور کاہش انسان کے دل کے اندر پیدا ہونے لگتی ہے، نہ آدمی قادر اور ہستکتا ہے، نہ چھوڑ سکتا ہے۔ عورتیں کسی خیالی گلکپی سے اثر پذیر ہو کر سب گودڑا درروئی اندر سے نکال لاتی ہیں اور پھر ٹھنے کو بلوا اس سے دھنوائنے لیا توں میں بھرتی، اُن پر کلے سوت کئے نگندے۔ ڈالتی لمبی تان کے سو جاتی ہیں۔ سردیوں کے لئے تیار۔ اب ان کے لئے چاہے کہہ رہے یا پرہیز۔ لیکن مردوں کو ٹھنڈی ہوا کہ ہجھونکے کے ساتھ ایک ذمیت ہوتی ہے ان کے جسم ایک دم سیاہ اور سُرخ ہو لٹھتے ہیں اور سام اپنی اپنی ٹکڑے جھوڑ کر مقابل کے ساموں سے ان گنت بار جفت ہونے کے لئے چل نکلتے ہیں۔ مرد کا پورا جسم ایک پہنچیر سانپ کی

طرح پہنکانے لگا ہے.....

خملِ ہمدر کی طرف تدم اٹھانے ہی والاتھا کہ بائیں طرف جپت پر کو آواز آئی۔ تھکل کافی۔

میگل نے اوپر دیکھا یہ وہی مجرم تھی جہاں ششم کا پانڈا اگر کیا تھا۔ سلنتے

کمر دی تھی اوس کے دھنڈے سے نقشِ دکھانی دے رہے تھے۔ ایسے نقشِ جو اپنے  
بھلے آدمی کو پاگل بنا دیتے ہیں۔ کیوں کہ وہ پورے نظر نہیں آتے۔ سلامتے کہا۔

ٹھپر پرے، مجھے بخھ سے کام ہے:

منگل۔ جامد و ساکت رہ گیا۔ اس کے بدن میں اس وقت ایک ہی  
چیزِ حرکت کر رہی تھی۔ اس کا دل، جس نے تمام تر سکوت کی کسر نکال  
دی۔ سلامتی ادھر سے آرہی تھی جس طرف لکڑی کی سیر جملہ کے  
غمزیں اترنے کی بجائے، باہر اترنے تھی جس پر آزادانہ انز چڑھ کر عنا یتی اور سلامتی  
اور جبلہ لال لال مرچیں سوکھنے کے لئے ڈالا کر دیں۔ جتنا آدمی یورنی نہیں  
میں کرتا ہے، اتنا منگل نے سلامتی کے کوٹھپرے سے بپنے آپ تک پہنچنے میں بھج  
ڈالا۔ سلامتی آکر منگل سے کچھ دو رکھڑی ہو گئی۔ چب چاپ!

منگل نے پوچھا: "کیا بات ہے، سلامتی؟"

"کچھ نہیں" سلامتی بولی۔ اس کی آواز میں شکا ٹیش ٹھیں بھاتیں ٹھیں اور آنسو  
تھے۔ گویا وہ کہہ رہی تھی "تیرے سامنے بیٹھ کر روؤں گی لیکن دکھنے نہیں  
باتاں گی۔"

بتاں،" منگل نے کچھ آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

سلامتی تھوڑا تیپھے ہٹ گئی۔ جیسے وہ ڈھکنی تھی۔

"پرے پرے" — سلامتی بولی۔

— ایک خوشبو اڑ کر سلامتی کی طرف سے آئی۔ یہ خوشبو گاؤں کی خوشبوں میں سے نہ تھی۔ کیوں کہ ان خوشبوؤں سے منگل کے شام پوری طرح سے واقف نہ تھے۔ یہ شہر کی خوشبوؤں میں سے تھی جو محنت کو ایک قسم کی گوارا سی عنقرفت دے دیتی ہیں۔ مختلف اس پیسے اور غلطیات کی بدبُدی کے جو تند رست بد نوں کی ناتمام محنت اور اس کی تباہ تاب میں صندل ہو جاتی ہے..... منگل کے دل میں ادا خ بجادوں کی ہواں سے جو شعلہ ایکا! ایکی بھرماں اٹا نہا۔ اس پرے پرے" سے اور بھی پک اٹا۔ سلامتی کے رکھ رکھاوی کی پردانہ کرتے ہوئے وہ آگے بڑھا اور بولا۔

"تو مجھ سے ڈرتی ہے؟"

"ہاں" سلامتی بولی "یاد نہیں اس دن — ۶....."

"یاد ہے" منگل بولا "پرسپ دن ایکسے تھوڑے ہوتے ہیں۔ سلامتی ہے؟" اور وہ آگے بڑھ گیا۔ سلامتی تیجھے ہٹتی، "نہیں، نہیں، نہیں، نہیں" کہتی ہوئی دیوار سے جا لگی۔ اس نے سوچ رکھا تھا۔ منگل کے ہاتھ پیچھتے ہی سورج میاں کی اور اسے پکڑا کر اپنی بے عزتی کا بدل لے گی۔ ایکسے لمحہ کرنے سے خال آیا۔ اگر یہ پیچھے کا بچہ، اس ایک محنت کے قلاعے کو، جو اس کے اور منگل کے نیچ رہ گیا تھا، پا کر کے لے پکڑ لے اور اس مزنب کے بامنہ کو بالوں سے بھر پور چھاتی میں بعنخ لے تو وہ کیا کرے گی؟ اس کی ساری منصوبہ بندی دھری کی دھری رہ جائے گی..... اور دھری کی، آہت مگر لقیناً اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ سلامتی کی آراز گھنے میں اکٹ گئی ..... وہ کاپ رہی تھی اور نہ جانتی تھی منگل پر بھی کوئی لرزہ چھا رہا ہے....

پھوئی پھوئی سے بادل جمعتے۔ پر سلامتی کی طرف دیکھتے ہوئے وہ بولا: ہاں، مٹک  
ہے..... کل ہزاری نے دہائی سے تراب کا مشکان کا لاتھا؟ اور اس نے ایک  
کی طرف اشارہ کیا۔ ”بس مٹکے دو مٹکے صنی ہی جگہ ہے“ اور پھر اس نے  
لپٹے آپ کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔ اگر اس کے چڑکتے ہوئے ہاتھوں کو لقین نہ آ رہا تھا،  
ان کے قابو میں کیا چیز آئی اور کیا نکل گئی۔ اس نے لپٹے آپ میں ہمت کی بھی  
کی یا میں اور سوچا۔ آج دم گھونٹ تراب تیزاب کے اندر ہوتے تو زہ  
آ جاتا اور پھر دن بھر گے اور دھول کے بعد اسے اپنا آپ کچھ گزدہ بھی لگ رہا تھا  
منہ سے ماں بہن کی گالیوں کی بو آرہی تھی۔ پھر کچھ سوچتے ہوئے وہ بولا: اچھا  
سلامتی ہے، بھوکا نہیں.....“

”میں نہیں، تو ہی بھوک جائے گا۔“ سلامتی منگل کی نکاحوں کا شک دُور  
کرتے ہوئے بولی۔

”نہیں“ منگل نے کہا۔

— اور آدمی چاند کی رات میں منگل سلامتی کی نظروں کو دلتا ہوا  
یہلا گیا۔ بدن میں ایکا ایک ایک تساوی سا پیدا ہو جائے کی وجہ سے اس کی جاں ہی میں  
گئی۔ ریڑھ کی ہڈی میں کوئی سانپ لہرانا بند ہو گیا تھا اور چچے سے دیکھنے پہ  
وہ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے انسان نہیں، کوئی نہ ہو جا رہا ہے۔

سلامتی وہیں کھڑا کھڑی اسے جلتے دیکھتی رہی۔ اسے بھی بجادوں کے  
بھونکے گئے اور اس کا بدن ہوا بس پڑے ملگئے ہوئے کوئی کی طرح کبھی بھوڑک  
اٹھتا اور کبھی بجھ جاتا۔ یوں معلوم ہونے لگا تھا جیسے آدمی رات کے وقت جب

صل آئے گا تو سلامتی شو رچنے، اسے پکڑ دلنے، پڑاوائیتے کے منصوبے کو عمل میں بھی ائے گی..... مگر کی طرف قدم اٹھاتے ہوئے اس نے اپنا ہندکا کامنے سے عنايتی، سلامتی کی بڑی بہن آگئی۔

"تو کہاں سے —— آپاں؟" سلامتی بولی۔

"شرمادائی کے ہال سے ..... جو شانزدہ کرائیں ہوں؟"

"جو شانزدہ؟" —— وہ کس لئے؟"

"مرنے کے لئے۔" عنایتی نے بیزاری سے کہا۔

سلامتی کچھ نہ سمجھی۔ عنایتی نے کچھ شرمادیتے، کچھ مسکراتے ہوئے کہا۔

"حورت ہونا بھی ایک ہی لعنت ہے....."

"ہو ہئے!" سلامتی نے کچھ پتا پلتے ہوئے کہا: "روڈا بیگلی پڑا تو ابھی

سال بھر کا بھی نہیں ہوا ——؟"

"اسی لئے تو —— یہ مر رہی ہوں" عنایتی نے کاٹھے کی بڑی سی بڑی

کو ملختے کے سانحہ مارتے ہوئے کہا۔ پھر دونوں مل کر مگر کی طرف چل دیں سلامتی

بڑی: "یہ سب کرنے سے پہلے تم نے مراد سے پوچھ لیا؟"

— مراد عنایتی کے میان کا زام تھا۔

"آئندہ با" عنایتی نے اپنی بانہہ جھٹکتے ہوئے کہا: "اس نامزادے سے پوچھنے بھی

تو ابھی تک گیارہ ہوتے..... میرا پیٹھ نہیں کہ لوک شگھ کا آواز .....؟"

سلامتی کو جھر جھری سی آئی۔ وہ الھڑ بہت کچھ نہ جانتی تھی لیکن کافی نہیں میں۔

ماڑھتی جس کے رجم ہوتا ہے۔ — وضع عمل اور تولیر کے نام ہی سے جس کے اندر

ایک ناخوسی کے ساہنے دوڑ جاتی ہے۔ سلامتی نے کہیں وعد کی بات سمجھی۔ آخر یہ ہوتا ہے؟..... یہی ہوتا ہے تو پھر؟..... جب تک عنایتی دروازے کے اندر پیر رکھنے جا رہی تھی۔ سلمان نے اُس نے مراد، اپنے میال کو انی سالی ماں شر سے پھر ڈچھاڑ کر تے دیکھا اور لئے پاؤں باہر اگر سلامتی سے بولی۔

لینے! پھر بلاستے وہ بجا یہ لڑکا؟“

”کون؟“ سلامتی نے کہا۔ — حالانکہ جانتی تھی عنایتی کہاں مار کر رہی ہے۔

”اے وہی ملتے والا.... منگلرو؟“

سلامتی نے جب تک سوچ لیا۔ — ”نہیں“ وہ بولی ..... اس کے بعد اندر جا کر عنایتی ماں شر، روڈے، مراد غیرہ کی طرف متوجہ ہو گئی جہلم پھر زکاری کے پرے: صح گرفت میں ڈالنے کے لئے چنے کی دال لینے گئی تھی۔ ... لبے کا ہمیشہ کی طرح کچھ پناہ تھا۔ سلامتی ایک کھاٹ پر بیٹھ کر سوچنے لگی۔ اس دن کا دھاٹ نے دالا منتظر اس کی آنکھوں کے سلمانے پھر گیا اور وہ شرم اور خجالت سے لال ہوا۔ نہ جانے کیا ہو گیا مجھے! ایسے بھی کتنی مانتا چلا جاتا ہے کسی کی بات؟ وہ کہتا۔ — آتا دے اور بھی کچھ، تو میں وہ بھی آتا دیتی..... پاگل! کیسے پھر گلی میں اگر کرتا پہنا اور اپنے بہ دوسری چھپلے..... اللہ! کوئی دیکھ لیتا تو؟.....

کچھ ہی دیر میں سلامتی، اُبلتے، اکھیلنے لگی ..... بولا۔ — ہوئی سرخی جواب ..... اور مجھے جانا پڑا۔ اتنی بے عزتی نہ ہوئی ہو گی کسی ماں کی

میں کی۔ پر اجس چیز کو آپاں بے عزتی کہتی ہے، میں اسے بے عزتی نہیں کہتی.....  
 پھر وہ اٹھی اور ہانڈی لے کر سب کو کھلانے پلے نے کے پہلے عنایتی کے پاس چل گئی اور  
 جب سب سینے خوار ٹرے اور صادر ہوئے تو اس نے عنایتی کو ٹھکل سے اپنی ملاقات کا  
 واقعہ بتا دیا اور یہ بھی کہہ دیا کہ دہلمنے آئے گا۔ — مدرسے کے باہر، ایک یومی...  
 تھوڑی ہی دیر بعد مراد، کاؤنٹ کے درجاء پر معاشروں کو لے آیا۔ اپنی غربی ٹالنے  
 افلاس کے باوجود وہ یہ برداشت نہ کر سکتے تھے کہ ایک کافر کسی مسلمان لڑکی کی حرمت  
 پر ہاتھ ڈالے..... سب نے مل کر جلدی جلدی لاٹھیاں، چبوایاں اور گندڑے  
 جمع کر لئے..... اور پھر بیٹھ کر ابرسون پہنچ کے، جاتن اور ٹلوک کے قل ک  
 یاتیں کر لے گے.....

## ۸

مشکل نہادھو چکا تھا اور اب اپنی دارڈی کو کچی گھانی کا تسلیم کارہا تھا۔ صح  
جب خبرے نے پڑے میں سرسوں ڈالی تو پہلی چند بوندیں بوئیں میں مٹھنے لے لی گئیں۔  
..... فیضیروں والے اڑے سے سے لوٹ کس سلامتی سے لئے کے لئے مشکل چھوپوں سے  
کیسا لامبی، بڑی کی جو ٹھیک بھنی اسال جنداں سے بڑی کرنے کے لئے باہر دیکھنے کی باتیں  
بھی کیں — اور پورا اگھر چیک اٹھا.....

آج رازے اچھی لگ رہی تھی۔ اپنا معلوم ہوا جیسے اس کی شادی کو دوڑا  
سال ہی ہوئے ہیں اور وہ بچے اس کی بڑی سوت کے ہیں یا وہ بڑا بھائی ہے  
اور چھوٹی بھائی کے قتل ہو جانے پر، اس نے اس کی بیوی پہ چادر ڈال لی ہے  
— نہیں نہیں، یہ تو نہیں ہوتا۔ چادر چھوٹا بھائی ہی ڈالتا ہے۔ بڑے بھائی  
کے لئے تو چھوٹے کی بیوی بہر بھی کی طرح ہوتی ہے —

چول کہ مشکل خود، معمول کے خلاف۔ آج شام کو نہادھو کر صاف سحر ہوا تھا  
اس نے رازے سے غلط سمجھ گئی تھی..... وہ بھی یہ سب میرے لئے ہے،  
آج کارن میرا تھا، رات بھی میری ہے..... راز کو دیکھ کر حکل سمجھا یا اس

کی آنکھوں کا قصور ہے لیکن نہیں..... آج رات اپنی ہی آنکھوں، اپنے ہی دل پینے ہی گاول ہونٹوں، کوٹھوں، راؤں کا قصور تھی۔ آج صحیح جب وہ نہا کر جو ہر دھمی سے نکلی تو شفے کی ڈٹ معلوم ہو رہی تھی، پھر اس نے گز بھ کر دن میں کئی بار اپنا مل کر ملڈ کرواتی زم اور پکنا بنا لیا تھا کہ اس پر سے نکا جیں اور جذبے پسل پسل چلتے تھے اور دھرم دھمی پڑے محل پسل چلتے ہو اس وقت تک اسک نہ ہوتے جب تک کوئی ان کا ہاتھ پکر کر نہ اٹھ لے..... پھر اس نے بندی لکھا کی تھی۔ کوئی غور سے دیکھتا تو پتا پلتا آج وہ صرف بندی نہ تھی۔ وہ صحیح کا سورج تھی جو گہر اسرخ ہوتا ہے اور تیر تیز پنپنے محو کے گرد گھومتا جاتا ہے پھر ایک ایک جیسے کرذن کے انبار میں ہاتھ ڈال کر کسی نے پچھلا دیا..... اخذ و ڈٹ کی چال کا زمگ ہونٹوں پر چلا آیا اور اب تک کے سو کھے ہوئے چھوڑا دی کی بکلے وہ رس بھر لیں کے ڈھرم معلوم ہونے لگے..... بختل نے ایک ہار پھر فدا غور سے اس کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

”تو آج باجارتی تھی؟“

رازو نے ایک اپنی ہوئی نظر بختل پر ڈالی اور پھر اسے اپنی طرف یوں دیکھتے پا کر نکلا ہیں چڑالیں اور دہنوں کی سی دھمی آواز میں بولی ہاں اور پھر کام کا ج کے بہانے، اپنا آپ اور حرام چھپانے، وقت بتانے لگی۔ راؤ کیا پچار ہی تھی؟ یہ بات نہیں کہ وہ سکھ دیسا نیوں کی طرح اپنا سارا کچھ ایک ہی دم نہ دے دینا چاہتی تھی بلکہ کوئی بات تھی جو ایسے، بندی اخزوں کی چال اور رس بھر لیوں سے اور پھر ہوتی ہے جس کا تعلق عورت کی خصل دھوت

ے نہیں ہوتا اس کی نمائیت اساس کی انتہی ہے ۔۔۔ جسے وہ دھیرے دھیرے  
سامنے لاتی ہے اور جب لاتی ہے، تب پتا چلتا ہے ۔۔۔ یہ بات صحی ہے جیسے فتح کا چاند  
لپنا آدم حاصل ہے رہتے ہے اور میر آہستہ روز بروز، ایک ایک پر دے ۔۔۔ دی پڑے  
چوں، آگئیا، سب کو الگ ڈالتا جاتا ہے اور آخر ایک دن، ایک رات، پورینا کے روپ  
میں اسکے کبھی بے خودی مجھ سے، کبھی ناداری اور لاچاری کے ساتھ اپنا سب کچھ لٹا دیتے ہے  
..... کیا علم النوار، علم النجوم سے دور کی بات ہے؟ کوئی بھی علم دوسرے علم  
سے فاصلہ رکھتا ہے؟ ۔۔۔ جن لوگوں نے رسول اور عادتاً آسمانوں پر جما  
تاؤں کو دیکھا ہو ان کی حیلہ کے ساتھ میں یہی ہیل کے ساتھ جیسے ہوں اماوس کے ساتھ مرجھا یہ پو قم  
کے ساتھ کھلے ہوں۔ دہی جنی کی آنکھوں میں، پلکر کے پنجے، دمنوں سے بڑی آسمانوں  
سے بڑی برقی و مقناطیس کی دستوں میں جو داس رخائی جاتی ہے، جو بھنگڑتے اور گھبرا دے  
لکڑی ناچے جاتے ہیں، ان کے راز بھی ہیں ۔۔۔ وہی ششم کے پاند کا بھید  
بھی جانتے ہیں ۔۔۔

مکمل، اکے والا، پرسلامت بیبے سلامت ہو کر اس گھر کی ششم کا بھید کیسے  
مجھتا؟ اس نے بھی آسمانوں پر جہان کا ہی رہتا۔ وہ تو یہ بھی نہ جاتا تھا۔ خود ایک  
تارہ ہے ۔۔۔ سورج، جو کبھی کسی کو اپنی طرف دیکھنے کی اجازت نہیں دیتا۔ جو  
دیکھتا ہے اندر ہو جاتا ہے اس کے خلوع و غروب، اس کے توازن۔۔۔ ال شہزادہ  
اپس ہی سرکرتے ہر جانے، سلف کا حصہ ہو جاتے ہیں ۔۔۔ بنات الغرض اس  
کی طرف دیکھتی ہوئی معدوم، پاند ۔۔۔ بے نور کا غذی ہو کر گھٹا گھٹا  
ہوتا ہے اور آخر عدم کی پہنائیوں میں گم ہو جاتا ہے اور وہ ۔۔۔ سورج۔۔۔ بے خبر۔۔۔

لیکن آج — اس بے غیر مدخل کو راز کچھ خبریں دیا چاہتی تھی۔ وہ اس  
گھومنگٹ کر اٹھا دینا چاہتی تھی جو محل اور اس کے بیکی مائل ہوا تھا۔  
گھنڈا نہیں کر کے سوا کھیاں نہیں کھنڈلاہ مس اُڑن لائیئے نی  
دارش شاہ نہیں کریں نہیں پہل اگ تو فتح نہ سائیئے نی  
— گھومنگٹ دیکھنے والوں کو اذہا کر دیتا ہے۔ بے دہن اُڑے  
کھڑے پرے ہٹلے۔ دارش شاہ! موتوں کو دفا کر نہیں سکتے نہ پھر لوں کو آگ میٹاتے  
ہیں .... اور آج رات نے اس پر دے اور جماب کر دیا ہے کی ٹھان رکھی  
تھی جسے بیکے ہٹلے بغیر خدا بھی نہیں ملتا۔

ادھر مشکل آج بھی کوئی رخوت دیا چاہتا تھا۔ اس نے کہتے کی جیب  
سے راز کے لئے بالوں کی کچھ سو نیاں لکالیں۔ بوٹتے ہوئے جھینیں وہ قبیلے سے آیا تھا۔  
نہیں ہاتھ میں لیتے ہی رانی چونک اٹھی۔ اس کے منہ سے ایک پیے خودی کے عالم میں  
ہانگلی — عورت میں لزت کی انتہا، لیکن محل کہیں دوڑ دیکھ رہا تھا۔....  
پھر لڑ کر اس نسب میں نکلے اور راز کے ہاتھ میں تھما دیئے ..... راز کی آنکھوں میں

آنسو آمد آئے لیکن اُس نے جیران ہو کر پوچھ ہی لیا —  
• یہ آٹھ روپے — کہاں سے کے گئے؟  
• آج پسر در کی سواری لگی تھی۔  
• تو —؟

• تو کیا؟..... کھاؤ، خجوہ۔ اور پھر بیلی بارا اپی بیاہتا زندگی میں پہلی  
بان، اس نے معنی خیز نگاہوں سے راز کے شگھار کی طرف دیکھا اور بولا۔ خوبی بھی

تو بڑھ گیا ہے!

اور رانو پہلی بار اپنی نئی بیاہتائندگی میں پہلی بار ایک بیوی کی طرح شرمانی اور اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کا اٹبنا، اس کی ہنسنی، اخروٹ کی چیال، اور رس بہراں ہی ہو گئی۔ اس نے ملنٹری کے پردے سے اپنا سب کچھ ایک بار ڈھک لیا دہ مغل کے قریب ہونے میں کہتی دور اور دُو ہونے میں کہتی قریب ہو ہر جاتی تھی۔ پیرا نئے بھی سوچا۔۔۔۔۔ ابھی نہیں۔ ابھی تو مندر میں گھنٹیاں بھی نہیں کھیں۔ مسجد میں نہ نے اذان نہیں دی۔۔۔۔۔

مغل نے کہا۔۔۔۔۔ کہا انکاں نکال دے جو ٹھے سے:

"ابھی نہیں:

"کیوں؟۔۔۔۔۔ ابھی کیا ہے؟"

رانو کچھ سمجھرا سی کہی۔ دہ اس سوال کا جواب نہ سے سکی۔ لیکن مغل نے خود ہی ایک انجانے پن میں اسے اس دیلے سے نکال بیا۔۔۔۔۔ کیا کوئی بہت اچھی چیز سکی ہے؟"

"ہاں" رانو نے کہا۔ اور پھر کھٹے سے اس کے درپیٹے میں کرنی ترتیبلے نکلا۔ پھر کی دال پکائی ہے۔ ساتھ پودیے کی بٹنی۔ کراں میں ساون دال۔۔۔۔۔ کہتی بھول ہوئی امکھل کر دہ سب یاد آگیا۔ وہ آنحضرت کھڑا ہو گیا۔ اس کے نہتے پھولنے لگے۔ اور بال جیسے اپنے آپ جگڑای سے باہر لگئے۔ اگر بالوں میں نہیں تو جیسا لوں جیسا ضرور اس دن والی من چھٹیاں، اُنکی بڑھی مایاں اڑی ہوئی تھیں دہ ایک دم غضا ہو کر پولا: دو، جو بھی پکا ہے نہیں میں جانا ہوں، صرف دی

کام ہے۔“ راز سنبھلتے سنبھلتے پھر گئی گئی۔ اس نے تو کچھ اور ہی سچا تھا۔ اور ہی پکایا تھا..... شاید کوئی ایسی دلی بات نہ بھی ہو..... اچھا ہی ہے جب لوگے پکے ہوں گے بُشِر کی کھوں کھوں، کھانہ کھانہ، ساس کے شریع راست کے خرائے بند ہو پکے ہوں گے۔ ایسی خاموشی ہو گئی کہ سانس بھی روکنے پڑیں کہے ایکا ایک مخل نے کہا۔

“ میری وہ گریت کہاں ہے؟ ”  
راز مجھ گئی۔..... سنا گئی۔  
“ کہاں جا رہے ہے؟ ” اس کے منزے سے بے انتیار نکل آیا۔ دیکھتے نہیں،  
بادل گھرے ہیں۔—— ”

“ ہوں گے؟ مخل نے کہا۔ ” تو کون ہے روکنے والی؟ ”  
رازو بے بفاعت سی ہو کر رہ گئی۔ بولی۔ ” نہیں امیں تو کوئی نہیں۔.....  
لیے ہی پوچھا تھا۔—— ”

اگر رانی آڑ جاتی۔..... جیسے تارکے کے ساتھ آڑ جاتی تھی اور کہتی۔  
” میں نہ روکوں گی تو اور کون روکے گا؟ ” تو مغل الف ہو جاتا۔ لیکن وہ اپنی،  
بھٹی ہوئی، میلی، بو سیدہ سی چادر کے رشتے کو محبتی تھی۔ مغل رانی کے اس کیلے  
جواب سے کچھ ڈھیلا ہو گیا اور بات کو ختم کرنے کے انداز میں بولا۔ ” جا رہا ہوں  
زندگی کے ہاں۔—— ”

یہ فقرہ خوب ہے مگر ماں اس وقت کہتے ہیں جب وہ داقتی زندگی کے

جانب ہے ہوں اور یہ میں بھتی ہیں ان کا سیال کسی فلسطینی گیر پنہیں بارہا۔ وہ نہ دہالیے کہتا۔ لیکن راز کو حالات میں ہر لمحہ پیارا ہو جانے والے خلے نے ایک الی بھروسے دی تھی جو اس کی دوسری بہنوں کے حلقے میں نہیں آئی تھی۔ ایکاں کی وجہ دیوں سے ایک عام، گوشت پست کی خودت بن گئی۔ ایک دم چالاک اور عیار..... حادثہ کیا کرتی؟ — وہ بھروسی اور ہے بس۔ آدمی پل پل حالات دو داقعات سے اثر پیدا ہوتا ہے، ان کے ساتھ بدلتا ہے، وہ نہ پر ماٹنے اے آنا بڑا نسوان کا جال نہ دیا ہوتا۔

گرتی کے مطلب ہے راز کے شک کو لقین میں بدل دیا۔ وہ تن کرکھدی ہو گئی۔ اس کے بھی نہتے پہنچنے لگے جو مشکل کو رانی کے دوپٹے میں دکھانی نہ دیتے۔ ایک بیوی مقابلے کرنے، اپنے حقوق کی حفاظت کرنے، ایک بیویا کی سلی پر اُتر آئی تھی۔ اپنی نگاہوں کے افق پر اُسے سلامتی کا بدن لہراتا ہوا نظر آیا۔ جس کے بدن کے کلے اور تناسب اعضا میں مقابلہ کرنے قدرتی جگہیں بیٹھیں۔ جس کے جسم کی تازگی اور شادابی کو اُبھئے اور بندی اور اخروٹ کی چھال کی ضرورت نہ تھی..... جو سب چیزیں مشکل سے استہلوں اپھر آدمی کرنے بے کار تھیں۔ جو خود چنان تھا، چنان سے بھر ڈننا چاہتا تھا، خود لوٹا تھا، لئے کرنا چاہتا تھا..... اونہ راز جانتی تھی اور اس کے لئے تیار تھی..... اس نے ایک آڑی نظر سے ڈنگ کی طرف اشارہ کیا اور پولی۔

“وہاں پڑی ہے تیری گرتی؟”

جب ہی باہر سے دیکھا کی آماز آئی۔ — “راز”

رازو ایک دم باہر کی اور اس سے پہلے کہ ددیا کچھ کہتی ۔۔۔ رانو نے  
باہر دیکھ لئے ہوئے کہا ۔۔۔ "پلی جا ۔۔۔ ددو ۔۔۔ اس وقت پلی جا ۔۔۔"  
ددیا نے بے کاری صدر کرتے ہوئے کہا ۔۔۔ "کیوں ن ۔۔۔ ؟  
رازو ہا تھر جوڑتے ہوئے بولی "پر ماہا کے لئے ۔۔۔ بٹے پڑوں کے  
لئے ۔۔۔"

اور ددیا جیرانی سے بچھے دکھتی ہوئی پلی گئی ۔۔۔  
رانو اندر آئی تو شکل ڈنک کھول چکا تھا۔ اس نے کچھ کپڑے اور ادھر بھی  
رکھے تھے۔ اس کے ہاتھ میں سمجھے لائے کی بوتل تھی اور آنکھوں میں چمک۔  
"یہ کہاں سے آئی؟" اس نے رانو سے پوچھا۔  
"یہ کیا؟"

"میکل نے بوتل کو ہوا میں اٹھلتے ہوئے کہا تھے مٹھے مالٹے  
کی بوتل!"

رانو نے کچھ لرزتے، کچھ باہر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: "بچھے کیا معلوم؟"  
اور اس سے بہت کچھ اپنا آپ چھانے کی ضرورت بھی نہ پڑی۔ ڈبورونے لگا تھا۔۔۔  
رانو نے آدمی اندر آدمی باہر جا کر باہرہ الارنی شروع کر دی تھی ۔۔۔ "اٹھات  
ہوئے ۔۔۔ ۔۔۔ یہاں کیا دھرا ہے، تیرے رہنے کر ۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔ زدن کے  
ہل جا کر، جن کے ہل تر کاری ملتی ہے، گوس ملتا ہے ۔۔۔" اور پھر مڑکر بولی  
"تیرا بھائی پیا کرتا تھا ۔۔۔"

"ہاں مگر" شکل نے جیرانی سے کہا: "تھے برسوں سے ۔۔۔ ۔۔۔ ؟"

## پڑی رہی ہوگی — بیدنے توجہ سے اس ٹرک کو اختمی نہیں لگایا۔

منجل یوتل گھا گھا کر دیکھ رہا تھا جیسے تین ن آکھا ہو — با کل دہی ثلب  
تیزاب جس کی اس شام ہے طلب تھی جس سے اس نے چاہا تھا کہ اس کی ہمت بڑھے  
چیزیں کی سی پک آجائے، دس گھوڑوں کی طاقت ..... اسے بھی اپنے ذہنی  
افق پر ایک تزدیز تازہ سندھست و توانا را کی دکھائی دی، اس نے محوڑا انہ بابر  
ہو کر اور پرانا سان کی طرف دیکھا جاں اب بادل گھر آئے تھے اور چاند کو اپنے  
لحاظ و تو شک میں چھایا تھا.....

صرور کہیں گری پڑی ہوگی، بخارات لٹھے ہوں گے جو اس مہینے، بھاروں  
کے آخر میں کوٹلے کے اور چلے گئے — ناید کہیں رات اور دن برابر ہوئے  
ولے تھے ..... بادوں کے نیک میں سے اپنا گریاں چارڑا کر دیکھتے ہوئے  
تاروں سے اس بات کی تسلی کر کے کہا بھی پہلا ہی پھر شروع ہے، منجل روٹ آیا۔  
لیکن لوٹنے کے بعد وہ پہلا سامشگل نہ رہا تھا۔ ایک عجیب قسم کی کرختگی اس کی نگاہوں  
میں پلی آئی تھی۔

”میں کبھی کبھی — دہاں نصیبوں دلے اٹے پر گایتا ہوں: دہ  
انگوٹھا اور مٹھی منہ کی حرف لے جاتے ہیئے بولا۔

”میں جانتی ہوں؟ رانوئے کہا۔

منجل نے پردائی کی اُن کسی آنتی چاپ کا مظاہرہ ..... - پھر اس نے بوتل  
کی طرف دیکھا۔ حرص دآنے بہت کچھ اسے دیکھنے نہ دیا۔ مثلاً رانوئی آنکھوں میں

اٹھنے والا سیل، ساتھ ہی اس کا تیز ہوتا ہو اتنی۔

”تیرے ملنے تو نہ ہو رُؤں گا“ وہ اپنی بھی دست لکھتے ہوئے یواڑا۔

رازوچوکتی ہو گئی —— ”کیوں“؟

”تو پڑا مانی ہے نا؟“

رازوکھنے جا رہی تھی —— نہیں میں کیوں بُرا مازنگی، میرا حق ہی کیا ہے، لیکن اندر سے کسی آوازنے اسے رد ک دیا۔ اس کی نگاہیں پھر ایک حر آذن کی نکالیں ہو گیں اور وہ بولی: ”ہاں، تو جانتا ہی ہے، مجھے زہر لگتی ہے؛

پھر جیسا کہ راؤ کا اندازہ تھا۔ جیسا کہ وہ جھل کو جانتی تھی۔ جس کارہ چاہتی تھی —— محل ایک دم بجنا اٹھا۔ ایک دم بُرل کے گلے میں مٹھی مکملتے ہوئے اس نے کاگ کروڑ میلا کر دیا پہلے چوروں اور پھرڑا کروں کے انداز میں بولا۔ بھی ہے ناتم خور تول کی بات..... کملنے پینے سے بھی رد کتی ہو اپنے مردلوں کو؛ اور وہ بھینپ گیا۔

رازوخوش ہوئی۔ زبانی ہی ہی مگر۔ عورت ۷۴ اور مرد، کار مشتملہ تو قائم ہوا۔

اپرے خفیجی کا اظہار کرتے ہوئے بولی: ”خشدار میں نہ پینے دوں گی：“

باکھل جیسا کہ راؤ نے سوچا تھا۔ مشکل نے کاگ نکال کر باہر چینک دیا۔ بُوسی نشکل اور سارے کمرے میں چپل گئی۔ راؤ نے ایک ہاتھ سے روپنہ ناک کے سامنے کریا اور دوسرا احمد مشکل کے ہاتھ اور بُرل کے منہ پر رکھ دیا۔ مشکل نے راؤ کا ہاتھ پکڑ دیا اور بُرل —— ”میں پیوں گا —— ضرور پیوں گا“

۔ تو نے تو اپنے مجھی کریکھا یاتھا —— بُرل توڑی تھی، مجھے چھڑایا تھا۔“

وہ ترجمہ رترس کھایا تھا:

پھر۔ جیا کہ رانے سوچا تھا۔ مٹکل نے اس کے ہاتھ جیکنے شروع کر دیتے  
یعنی میں بڑی آگئی۔ اور دونوں کو ابکد و سر سے کے آنا قریب پا کر ٹھک گئی۔۔۔۔۔  
جب ہی باہر سے با دل کی گرج سنائی دی : جاؤ۔ رات سے دیکھ کر بولی : کھانا کھلاد  
مُلا دے سب کو ————— انہے، پانی پڑنے والا ہے۔ بڑی نے باہر جلتے ہی اپنے  
پیچے دروازہ بند کر دیا۔ آج وہ صبح ہی سے مال کے تیور دیکھ رہی تھی اور کچھ کچھ سمجھ بھی  
رہی تھی۔

رازو نہ پرتوں پر بھیٹنے لگی اور غلک لے دیکلنے لگا۔ اس کے سخت اور کھڑے  
باہت، رانو کے بدن کے ہر حصے کو گاہ رہتے۔ بیچ میں اس نے کچھ درکھار کھاؤ کیا مگر  
لیکن چادر کا بیع نامہ تھا جو رانو کا بدن توڑ رہا تھا مردڑ رہا تھا۔ دوبار بار کہیں دم بوٹل سے منہ  
لٹکا کر پینتے ہوئے، ہائپنیت کا پینتے کہہ رہا تھا۔ میں اپنے بھائی کی طرح نامرد نہیں  
جو ایک عورت کے سامنے ہتھاڑاں دے گا۔

مشکل نے اس چینا جھیٹی میں ایک تہائی بوتل خانی کر دی۔ رانی کچھ ازدیکی۔  
مشکل نے اب کے اسے تپخے فرش پر گرا دیا اور پھر جوش کے عالم میں اسے زدوں کوب کرنے لگا۔ — بالکل میں ہی جیسے رانی نے سوچا تھا..... وہ اور پرانے کی کوشش کرنے لگی اور مشکل اسے تپخے دبلنے کی۔ زیج میں ایک ہاتھ سے بوتل اخڑا کر وہ پھر لپی گیا۔ ..... ہر لے ہو سے اس کا چہرہ لال ہونے لگا۔ خون کا لول اور سر کی طرف آنے لگا۔ رانی کی سانس دھونکنی کی طرح پلتے لگی۔ اس کے اعضا میں ایک الیت رٹپ پیدا ہو گئی جسے ذمہ کرنا مشکل ہو گیا۔ — ناممکن۔ ..... اب کے جو

ملنی امکی تو محل نے اسے دیوار کے ساتھ دے مالا.....  
 خون کا ایک فڑاہ راز کے سرے چھڑتا اور اس کی ڈامگیں اسے سنبھالنے کے  
 قابل نہ رہیں۔ وہ زین پر پڑی تھی۔ — آنکھیں بند اور منہ گھلا ہوا.....  
 راتوں کی خاموشی غادتکے باوجود راہ راز اندر جنداں تک پہنچ گئی اور وہ بول۔

کیا ہے بہو؟

ایک عجیب قسم کی لذت سے بے ہوش ہوتے ہوئے رانی نے جواب دیا تھا۔ کچھ  
 نہیں، تائی، بلی ہے! ..... اور پھر اس پر ایک فنوودگی سی چلنے لگی۔ بدن کے  
 اعتاد ٹھیک پڑ گئے جہاں ہاتھ پڑا تھا، ہاتھ مانگ پڑی تھی ڈاگ اور جہاں پکڑا  
 پڑا تھا، پکڑا۔ — بچے شراب گری تھی یا پانی۔ — راز کی شلوار تریزہ بوری  
 تھی۔ اب تک جو کچھ ہوا اس سے یہ نہ معلوم ہوتا تھا دونوں ہیں سے کس نے پلے ہے؟  
 نش کے آیا ہے؟ ..... کس کا اتر اسے ہے؟ .....

مغل راز کے پاس حیران کھڑا تھا۔ عجیب عورت ہے! اتنی مار پڑی اس  
 پر بھی کہہ دیا۔ — بلی ہے! ..... وہ شرمدار تھا اور شکر گزار بھی۔  
 پھر ہی بچاڑا کر اس نے رانی کے زخم پوچھنے شروع کر دیئے اور پھر کپڑے کو  
 مٹھی میں رکھ کر اس پرنس کی دھونکنی پلاٹنے لگتا۔ راز کے بدن پہ جہاں جہاں  
 سوچن تھی۔ لگلنے لگتا۔ دیے ہی، جیسے اس رات رانی نے کیا تھا..... رانی  
 کو آرام آرہا تھا۔ خطہ آرہا تھا اور مغل کو رونا، اور اس روئے میں کفار کے کی نیکین  
 ردے رہتے اس نے رانی کے پاؤں پکڑ دیے۔ اب وہ اسے اور جھینخ رہی تھی، اس کا  
 بدن سہلا رہی تھی۔ — جیسے مار لے نہیں، مغل کو پڑی ہے۔

”عاف کر دے، مجھے معاف کر دئے۔ بھل رٹ لگائے جا رہا تھا۔

” وعدہ کرا پھر نہ پئے گا۔ راز نے اس کے ساتھ گتے ہوئے کہا اور پھر ایک دم کسی خطرے سے اپنے آپ کو بچانے کے لئے ہمیشہ قدمی کرتے ہوئے بولی: ” وعدہ کرے گا تو میں — آج تھے اپنے ہاتھ سے پلاوں گی: ”

” میں وعدہ کرتا ہوں! ” بھل نے کہا اور پھر سوچے لگا اس نے کس بات کا وعدہ کیا ہے؟ — ! راز آہستہ سے اٹھی اور باہر ملی گئی۔ بھل بیٹھا برتوں پر بارش کی جلتزنگ سن رہا تھا۔ پڑی نے سب کو کھلایا دیا تھا اور کہیں دوڑاں کے سکارا دیا تھا — جیسے، ہمیشہ کر لئے..... جیسے انسان اور قدرت کے درمیان اس عظیم سازش میں وہ بھی شرکیک ہو گئی تھی — راز نے تنور کو پرست سے بچانے کے لئے اس پر ایک بڑا سادا بڑا رکھ دیا اور پھر کھانا لے گرا اور بھل دی۔

رازو لوٹی۔ تھا میں ایک طرف روٹی پڑی تھی اور دوسری طرف کچھ پیاز اور — چانپیں! بھل نے جران ہو کر چانپوں کی طرف دیکھا اور پھر رانی کی طرف اور اس کے منہ میں پانی آنے لگا۔ راز نے گلاس میں ایک دم بہت سی شراب انڈیل دی اور بھل کے ہاتھوں میں تھما دی۔ بھل کو جیسے تین نہ آ رہا تھا۔ کھانے سے نظریں ہٹا کر اس نے رانی کی طرف دیکھا جس کی نگاہ میں پیلے بنی ہوئے تھیں۔ پھر وہ انکار نہ کر سکا۔ گلاس ہاتھ میں لیتے ہوئے بولا۔

” آج کے بعد پیوں تو سمجھو — ٹھکرے کھاؤں: ”

اس نے گلاس منہ کی طرف اٹھایا تو راز نے روک دیا۔ ” ٹھہرو! ..... جیسے

اے کوئی بات یاد کنی۔ وہ باہر گئی اور تھوڑی دیر کے بعد لوٹی تراہ تو میں ایک ٹنہ  
ہوئی چینی کی رکامی تھی۔ اور اس میں دل کی شکل کا ایک ٹھاٹھ..... جو کہ ٹھوڑے  
میں کٹا پڑا تھا!

محل پہنچنے اور کھلنے لگا۔ رانور وہی تھی..... ایسا مزہ محل کو نہیں بو  
ملے افسوس کہاں آیا تھا؟ روتے کاپتے ہوئے رانو نے اور انڈپلی — اور  
..... اور ..... اور شراب رانی کو چڑھا گئی — رانی کو اچھی نکے  
بجائے رکھنے لگی۔ پہلے جالی کا دو بڑے بیسے اتفاق سے گر گیا۔ پھر کرتے کے عکے  
کھل گئے جب ہی مندر کے گھنٹے نایاب دیئے، پھر سجدے اذان —  
”ہات!“ محل نے گھنٹے اور اذان سننے ہوئے کہا۔  
”ہات کیا؟“ رانو پوچھنے لگی۔

”یہ ہے محل نے اپنا غیر یقینی ہاتھ جنم اڑا بین کے گھر کی طرف اٹھلتے ہوئے  
کہا۔ یہ مٹا اور پنڈت —“

اور اس نے لٹھنے کی کوشش کی اور فانے تک گاہی بھی لکن باہر گپ  
اور ہر ادکیہ کر رکھ رہا تا ہوا اپنی جگہ پہ آ رہا۔ پھر ایکا ایکی اپنی آنکھوں پر پوچانہ اور  
ڈلتے ہوئے وہ سامنے دیکھنے لگا — رانی کھڑی تھی۔ پونم کا چاند  
..... جوبے صبر جو کہ آدمی سے سے پورا ہو گیا تھا، اور بادلوں کے  
لاد دتر نک کو چھرتے، چھاٹتے ہوئے اس نئے زمین پر اتر آیا تھا۔  
 محل اٹھ کھڑا ہوا اور سانس روک کر دیکھنے لگا۔ پہنچنے تمام بولا،  
”تم ..... تم نے کپڑے کیوں پہنے ہی؟“

داڑھے اپنا پٹا پڑانا جائی کا دو پڑھایا اور اسے اپنے اور منگل کے بھی  
سلئتے ہوئے بولی تھا، اس اسار دیئے تھے۔ اور دو پڑھے کو دو اشے ہونے والوں میں  
تھامے، رانی پہلو کی طرف مردی ..... عورت کا حسن شلاختہ محل کے سامنے تھا  
جس سے گیہوں کی ردی ٹھکھلنے والا کوئی بھی مرد امتحان نہیں کر سکا..... اور بیخ  
بیٹھیں ساپر دھ..... پھر اس حسن پر ایک انگڑائی ٹوٹی ..... سال  
کے دوں ہفتے، ہفتے کے سات دن دن کے آٹھ پہروں، انگنڈوں اور ٹپوں میں ایک ایسا  
لمحہ ضرور تاہمی جب چاند لپک کر سورج کو سر سے پاؤں تک گھننا دیتا ہے۔  
منگل کے چہرے پر سرخیاں اور سیاہیاں درد گئیں۔ آنکھیں بند ہو گئیں  
اور جسم کے سامنے اپنی اپنی جگہ جھوٹکر کہیں چل دئے ..... کبھی بارش کے درمیان  
چھپتے، کبھی اس کے لئے باہر آتے۔ ساداں اور بھادروں میں تو بارش ہجھیش موتی  
ہے۔ جہاں تھاں بھی ہوتی ہے لیکن بڑوں کا کہنا ہے کہ جب بھادروں اور سیج  
کے بیچ دن اور رات ملتے ہیں، برابر ہوتے ہیں تو دبوي کے کوٹلے پر ضرور چھپتے  
پڑتے ہیں، بے شمار پڑتے ہیں ..... محل نے ایک اندرے کی طرح لپک کر،  
اندازے ہی سے رانو کو کافی بی لے لیا۔ پھر ایک ہی لمحے میں دوجسم کے پتے ہوئے  
زعفران زاروں پر تھے ..... اس سے پہلے کہ ان کے سانس تیز ہوتے  
ہوئے دہاں پہنچ جلتے جہاں سے وہ پھر لوٹ کر نہیں آتے، محل رانو سے کہہ دا خدا  
”آج تم ..... کتنی کھوب ثورت لگ رہی ہو۔۔۔۔۔ بھائی!“

## ۹

گھر کے دد داڑے میں کھڑی، آسان سے مسلسل پارش پڑتے دیکھ کر سلامتی  
بھلا رہی تھی۔ اپنے تاکوں پہلکے لگائے پیپریں لگادہ ہی تھی۔ پھر وہی ہاتھ اس نے  
کوٹھوں سے پنجے خپکے شروع کر دئے اور سی سی کرنے لگی، جیسے غلطی سے اس نے  
ایک ساتھ بہت سی مرچیں کھالی ہوں..... لختے اور اذان کی آخری گونج اس  
کے کاؤن سے صدر دم ہو رہی تھی اور دوہ طاؤں اور پینڈتوں کو کسنے سے رہی تھی  
جنہوں نے انسانی جسم بنایا تو نہ تھا، البتہ اس سے الکارا سے گالی دیئے کوہری  
تیار رہتے تھے.....

لات کے دوسرے پھر کا آخر تھا اور پارش تھی کہ ہٹ ہٹ کے پڑ رہی تھی۔  
ہے سے کے برآمدے میں، ایکجھ کے برابر کھڑے مراد نے آسان کی طرف دیکھتے ہوئے ہوا  
”مکواں ہے یار، یہ حورت بھی۔“

خیف نے اتفاق کیا اور اللہداد اور حکومت نے بھی۔ اور پھر سب پہنچے  
ایسے لمحہ اور ڈکے اور جھوپاں اور گنڈل سے لے کر، پارش میں بدن کی جربی تک  
پہنچتے ہوئے، اپنے اپنے ٹھہر کی طرف یہ کہتے ہوئے چل دئے۔ بچ نگیا

۷

بیکردا۔

مراد کو نامراد رہنے دیکھ کر دُور، اندر، چار پانی پر پڑی ہوئی سلامتی نے  
ہاتھ مار کر بیٹے کو بجا دیا۔ بھرا ہے بدن پر اس دن کی آخری انگڑائی توڑی  
اوہ بولی۔

”فَكَرِبَ اللَّهُ!.....“

۱۰

آج سورج نے اچھے چھوٹے بادلوں کے بیچھے اپنا منہ چھپا رکھا تھا۔ آج آسان کے کوٹلے پر کوئی ناداں اپنی محنت سے شرم، رفتار، کڑھا ہوا اپنی بھی پرانی چادر اور جد کے سو گیا تھا۔

ہوابیں پہننے لگی تیس جن کے دوش پر لہراتے ہوتے ہیں رب نار، کوک ناز اور پامیرا دیمان کی طرف سے چھوٹے چھوٹے سفید پرندے آئے شروع ہوئے۔ معلوم ہوتا تھا دو رہزادوں فرنگ دور، کہیں کھینے والے بھولنے کا غذ کی کشیاں، وقت کے دھارے پر چھوڑ دی ہیں یا دشمنوں کی چھوٹی چھوٹی طشیریں میڈہ سب مذکولے نوٹا رہی ہے جو صدیوں میں، ہاتھوں نے ڈھول کیاں اور جھپیئے بجا بجا کر، ابادیوی کی اشتی ماحاگراس کی خدمت میں پیش کئے تھے۔

شب در دن بیہتی الہتال ہو رہے تھے۔ راتیں دن پر بھاری ہونے لگیں۔ شکست خوردہ سورج شب کے سامنے شرمایا اور بادل کے پر دے سے منہ لکال کر لبی زمین کی طرف دیکھتے ہوئے مسکلنے لگا۔ بن اس کے مسکلنے کی دیر تھی کہ قدرت کے پر دل پر زنگ کھجر گیا۔ دُر آج و سار کی پال میں نے انداز پلے لئے اور یہم کی نازک سی دال

پھولتی اور دست کرتی ہوئی جہاں تک کے گئے ہی سے ایک مترجم اور ملکیتی کے اختیاری  
چھوٹ نکلی ..... سونت نے صرف جامن اور بکان اور لانڈے میں کے پتوں  
سے صلح کی بلکہ بول اور کنز اور گنڈل کے پدن پر گئے ہوئے کا نٹوں کو بھی اپنا کہا۔  
اور زمین کے آنوجوم چوم لئے .....

کاٹوں نے کہیں ہاؤں کے بیچ، زمین کو زیر بب، دبی دبی ہنسی ہنسی  
دکھیلیا اور فرنہ ہو کر لپنے اپنے ہل نکال لئے اور اسی مست اسٹ کا شت کو  
خروف کا نام دیا، چھوٹے چھوٹے نجی ہمک شہتوں کی کچی کنز اور ڈالیاں توڑ لائے  
اور ان کی کمانیں بناء، ان پر چلے چڑھا، اور اڑھبے ربطے ہے تیر پھینکنے لگے، مسجد  
بیٹھاں نے اور مسدر میں پیدا ہوئے نہادوں کی ثنویہ کے گھوڑے چھوڑ دئے اور  
پوری کامیابی میں ایک مسلسل نہ ختم ہوئے والی جزہ بازی میں لگ گئی .....  
منگل نے اپنا ساز نکالا اور اس پر کلاغی سجائی۔ رانی نے تپور پر سے دابرہ  
الٹھایا اور اس کے کچھ گلے ہونے کی وجہ سے اس میں ڈھپری چلیاں اور میں چھٹی  
ڈال دی۔ رات کی آمدی سے ایک روپرے نکال کر بڑی کو دیا تاکہ جاٹوں کے ہاں  
چاکر خالص، الگی تلو اکر لیتی آئے۔ درسے میں بڑے بچوں کے شش ماہی امتحان ہر ہبے  
تھے اس لئے چھوٹا چھوٹا جملہ اڑاکیں کے ہاں مولیاں اور آلو لینے کے لئے پہنچاؤ  
سلامتی سر کے گرد جائی کا دوپہر باندھے بیٹھی تھی — اور کنپیوں پر آئے  
کی چڑیاں لگائے —

چھوٹوں کو مولیاں اتنا لوخر دتے دکھیل کر سلامتی بول لیتی — کیا بات  
ہے، چھیا؟ ..... آج لمحاتے آلو اور مولی کی روٹیاں پکتی ہیں — ؟

پھر وہ بزری نے کرچلا گیا اور پیچے جلیم، عنایتی اور عالیہ منصبی رہ گئی۔ سلامتی طبیعت کے خراب ہونے کی وجہ سے جلی بھنی سستی رہی ۔۔۔

پکتے ہوئے پر انھوں میں سے خوشبو اظہر ہی تھی اور اندر بیٹھے ہوئے حضورؐ  
الد جہاں کو بلچار ہی تھی حضورؐ کھسے نہ رہا گیا ..... "فنازم لگانا بیٹھی !"  
اس نے کہا : میرے دانت کام نہیں کرتے ۔ اور جہاں بھی نہ رہ سکی ۔ یوں تدیکھو  
 تو ..... سر وقت کملنے کی پڑی رہتی ہے .....

راونے مگی میں بے پر لٹھے، نئے، صاف سترے جاڑن میں باندھ کر  
ڈنگل کی طرف بڑھا دیئے۔ ڈنگل نے مخوردی نگاہوں کے ساتھ راونے کی طرف دیکھا اور  
چھر۔ — اس کے کچھ درسے یہ آنکھ کی ہلن اتنا کہتے ہوئے ہوا۔

۔ پہت صفائی مکنی پڑے گی؟ — ।

رانے دیتے ہے کہا۔— "ہاں!" ادھ پھر ایک محبوب منگل  
پر ڈلتے ہے بولی ——"ہم خود تین اور بنی کس نئے ہیں؟"  
منگل نصیبوں والے اٹے کرنے لگتے ہی دالا تھا کہ راز کو کوئی بات یاد  
آگئی اور وہ فوراً بول اٹھی: "مُھر وبا"

خکل دھیں رک گیا۔ کچھ دیر میں رانی دودھی ہوئی اس کے پاس آئی اور بولی  
ت مجھے دو شلواروں کا کپڑا لادو..... یہ تو ہمارا آرہے ہیں ..... ”

مکمل نے ابھی جواب بھی نہ دیا تھا کہ راتوں پہنچنے پر، سامنے کی طرف اشادہ کرنی ہوئی کہنے لگی : سب کے پاس یہے میرے پاس ہی نہیں ۔۔۔ اور پھر اپر دیکھتے ہوئے دہ صرف مسکرائی نہیں، لہن کھل کر کے ہنس آنٹھی۔

مغل نے ایک دم اپنا سر ملا جائیے اپنے حق کو کسی دوسرے سے خلط نہ کرنا پا چاہتا  
ہو..... راز پھر کہنے لگی ۔۔۔۔۔ چڑیں کو اس کے گھر دلے نے صوف کا سوت  
سلوادیلہ ہے ۔۔۔۔۔ کیا اچھا لگتا ہے، اس کے گورے گورے پنڈے پر کالا کام ।  
زرم زرم صوف ۔۔۔۔۔

منگل جیسے ایک دم فرائشوں کے شیریں دزش بانار کے نئے دب گیا بیاز میں کے لئے غنچے  
گرگی جاتا ہے پھرے سازیں لٹکاتے ہوئے اس نے رانی کی گرفتاری جو ابھی تک اس کا کرتا تھا  
ہرے سمجھی جیسے منگل اس کا چورخا جیسے راز کا کوئی قرفنگ تھا جسے ٹھل کو چکا ہا تھا۔

اچھا بایا، اچھا..... منگل نے اپنا کرہ پھر لایا اور دل دیا۔ رانی اسائی سی کھردی چکٹ میں جڑی، ہمیشہ کی طرح اُسے جاتے دیکھتی رہی۔ اس کا مرد۔  
محیل اور تعیل کی ایک رات اور آدمی ہی دن نے جس کی عمر میں دونوں مہینوں اور  
برسون کا اضافہ کر دیا تھا! پھر رانی اسے دیکھ کر ایک ایکی شک گئی۔  
تم لو کا!..... نہیں، منگل!..... لیکن، یہ وہ منگل  
تو نہ تھا جسے ایک دن رانی نے دریکھا تھا، جس دن جنوں نے اس پر چادر ڈالنے  
کی بات کی تھی اور ایک لبیلے پن میں ذارت گھلتے ہوئے جسے گلی کے نکڑنے  
لپک لیا تھا..... آج وہ چپ تھا اور اس کے چوٹی پر چکے کا نہ ہے محبت  
کے بوجھے وہ بگئے تھے، جس کے کارن وہ آپ ہی اپنا بڑا بھائی معلوم ہوئے  
لگا تھا.....

وہ چار ہاتھا اور گلی کے نکڑ بیسے پرے ہرگئے تھے۔ گاؤں سے باہر کے  
کالے کوں ایک دوسروے میں اُبھکے گئے تھے۔ ابھکتے سمجھتے راستے کہیں بھی جائے  
تھے لیکن ایک بات ملے تھی کہ ان پر اڑتی ہوئی دھول اور گرد، کچھڑا اور غلافت  
میں ہر منگل کا خون اور پیونہ رچا ہوا تھا۔ پھر، راستوں کے اس گور کھد دھندرے میں  
ایک راستہ صڑورا بیا تھا جو سر جانور ہر انسان کو سر شام "گھر" لے آتا تھا۔

اپنی نگاہوں کے دھندرے کھے میں منگل کے حل ہوتے ہی رانی اندر لوٹ گئی۔ آج  
اس کے پاؤں تینیں سے زمین پر پڑ رہے تھے۔ آج ہر پڑیز کتنی آسان، کتنی سبک  
ہو گئی تھی جس کے مقابلے پر اپنے پیور پرے پٹے آنگن کو صاف اور سخرا اور پھرے  
ہسماں نواز زنا ناکوئی محنت کی بات ہی نہ تھی۔

## ۱۱

کسی کو اندازہ نہ تھا اب کے کوٹلے پہ آتنا جائزی پڑے گا۔ کسی کو گمان بھی نہ  
تھا اب کے سامنے پہاڑوں پہ وقت سے پہلے برف پڑ جائے گی اور امبار دیوی بہ  
بچکتوں کو کوٹلے کی طرف بھج دے گی۔ اور پسروں، گوجرانوالہ، بھرپوریاں، سیاکھڑ،  
ستراہ اور ستوک سے سواریاں آئیں گی لا ریوں اور لبوں پر تانگوں اور آگوں پر۔  
بیل چماڑیوں اور چھنڑیوں پر.....

کسی کو معلوم نہ تھا کوٹلہ گاؤں کے لوگوں کے گرد دلت سے بھر جائیں گے  
اور ان پر ہن برنسن لگے گا۔ دیوانے شاہ کا سودا پک جائے گا اور جاث کا گھنی،  
خیرے کا تیل اور جہلم کی بیزی..... بکوزت مندر کے کلس سے گاؤں کی گلبیوں  
میں اتر آئیں گے اور داڑھ کھائیں گے اور ان کے پیار کی گھوون گھوون، چوبیں گھنٹے  
چلنے والی تئیں کیشین کی گوئیں گم ہو جائے گی..... اور برات گھر، دھرم  
شالہ اور ذیلداروں کی حوصلی میں ہی رکھنے کی جگہ نہ ہوگی اور لوگ دس دس، میں  
میں روپے ایک ایک کو ٹھری کے دیں گے..... سُنار کی بالیاں بھٹھیاں  
کی تھالیاں، چراغیں کے چوڑے، کھانے کے کوئے سب بک جائیں گے اور بڑی پہ

پھر ہے گاہِ محاب پر شہد کا پختہ ..... اہمی لوگ آئے تھے —  
ناچے اور مگاتے، دف کوٹتے، نیزی بجلتے۔ — "بچانے ہے تو بچاؤ،  
امباجی! پاپوں کے بجلنے کی سبی بیلائے ہے .....

کوئی زنجانتا تھا سال کے اس حصے میں کوٹلے کی عورتیں کیوں اور پس سوچم  
اور بچے سے استھول ہو جاتی ہیں؟ کوئی کہتا اس کی وجہ بچلی گری ہے، کوئی  
آنے والی سردی ..... اور بھر دہنے لگتے۔ جھاؤں کی جمع کا منیاں ہاٹھو  
میں تھاں، تھاں میں صدرگ، صدرگ بیں صیندھو رلنے مندر کی طرف چل نکلتیں اور  
اپنی ہی چال میں مت کہیں ایک کوٹے پر تم جاتیں تو گیان چند اور کنیسر سنگھڑے  
رلد وادر دیولے کی نسبتیں چھوٹ جاتیں۔ ان کے جاتے ہی دہ ہوش میں آجائے  
اور یک زبان ہو کر ملاشتے — "ہوئے ہوئے با.....

آج ہی بڑی پر کرا کادن تھا۔ حضور سنگھ اور جنداں تک باہر گئے تھے،  
لیکن رانو گھری میں بھی تھی۔ اس کے کارن بڑی بھی نہ گئی تھی — جوان  
جهان لڑکی اہم اس پر کرم کے لئے آئے ہوئے ہزاروں الیے، اس کی ایک  
انگلی بھی کسی کے حصے میں نہ آتی ..... شلاپ کوئی لاں لاں چیز میں کر رانو  
لے انگلی سے بھیٹتی ہوئی ایک کوڑی میں رکھ رہی تھی۔ گھٹے ہوئے بیس میں  
ہری مرع کی دم نظر آتی تھی اور آکو کے نکے اور چوڑھے پر کڑا ہی چڑھی تھی جس  
میں رسول کا یہی اہل رہا تھا .....

جب ہی چزوں کا لے صوف کا سوت پہنے، گلے میں گلابی دوپٹہ اڑا تو ہوئی  
اندر آئی — کالی قیس میں سے اس کا گورا گورا سینہ، بھت اور کینہ لئے زندگی

کا یاہ و سفید بھارتا تھا۔ راز کو چکے اور محن میں یوں کھم گڑای دیکھ کر چزوں بولی۔

”ہے ہے نی خصم کھلینے — آج کے دن تو مگر مری ہے؟“  
رانی نے یونہی سارہ لادیا۔

چزوں اور پاس آئے ہوئے بولی: باہر سب پیشہ ٹیکھری تیری جان کو روپی  
میں اور تو یہاں کیا نکر رہی ہے؟“

اور چزوں کی نظر راز کی گھبرے کی شلوار پر جا پڑی تیہ بات! چزوں نے اسے  
چھوٹے، اسرہلاتے ہوئے کہا۔ راز نے چزوں سے جان چھڑانے کے لئے کڑاہی میں یونی  
ڈال دی۔ ہاتھ اور رائٹے تو چزوں کو راز کے گرتے کے اندر کچھ اور ہی گول سڑوں،  
کچھ مخروطی سانظر آیا۔ اس نے برداہ کر اور ہی سے کرتے میں ہاتھ ڈال دیا اور پھر  
فوراً ہی باہر نکال کر چھکنے لگی۔ — ”ہے میں مر گئی!“ وہ بولی، جیسے جلتے  
ہوئے کرتے چھوٹے ہوں۔ — ”الم ہوتا ہے مشکل تیرے ساتھ سیدھا ہو گیا!  
راز کچھ نہ بولی۔ دوسرا ہاتھ سے شلا پہ پسی ہوئی لال ہری چیز کے  
چٹکے بیٹے لگی۔

”یہ کیا؟“ چزوں نے پوچھا۔

اور پھر اس نے غرے دیکھا۔ کھٹ مٹھی صٹپٹی تھی۔ چزوں کی آنکھیں چوڑی ہو گئیں  
لیک انگلی سے اس نے بھی صٹپٹی کو منہ میں ڈال لیا اور سی سی کرتی، اگے برداشتی  
راز کو شاوز سے جھنجھوڑتی ہوئی بولی — ”ہے ہائے نی۔“

رہیئے؟ —

رانو، اونہوں، آہنگ کرتی ہوئی پھر چھڑانے لگی۔  
”سچ بتا۔ چزوں بولی یہ نہیں تو میرا مری کامنہ دیکھے۔ ..... بتا، تجھے  
میری سوگند.....“

رانو نے کچھ گھور گھار کے بڑی کی طرف اشارہ کیا جو پی نشانی تھی۔ پھر چزوں کے  
کان کے پاس منہ کرتے ہوئے بولی۔ ”ماہوا!  
چزوں ایک دم تحرک اٹھی۔ ایک ہاتھ کر لے پڑا دوسرا سر پر کھے اور اپنے  
محل کے گرد گھوم گئی اور بھرا لیکا ایکی باہر کی طرف لکی۔ — بھلاتی، پکارتی ہوئی  
— ”نی سروپا..... نی چاچی پورا! دوفون — اشیئے  
کہاں مر گئیں ساری کی ساری .....“

بتنی تیزی سے چزوں باہر نکلی اتنی ہی تیزی سے مشکل آندہ آیا۔ دروازے میں دوفون  
کی لکر ہو گئی۔ چزوں دیوار کے ساتھ جا گھرا۔ مشکل کی پگڑی پرے جاگری اور جوڑا  
کمل گیا۔ اسے یوں دیکھ کر چزوں کچھ ہنسنے، کچھ خفاہوتے ہوئے بولی۔  
”اندھا! ..... دکھائی نہیں دیتا۔ پورا کوڑا ماہی دھرت راشٹوں کا ہی۔“  
”پر چزوں!“ مشکل نے پگڑی اٹھا کر بات شروع ہی کی تھی کہ چزوں بجاگ گئی  
مشکل نے جوڑا اپسٹیئے، پگڑی پرے گرد جھاٹتے ہوئے آواز دی۔ — ”رانو!“  
رانو سلنے ہی بھی شی لیکن چونک پڑی۔ آج مشکل نے پہلی بار اس کے

نام سے پکانا تھا۔ وہ رانی بھی کہہ سکتا تھا لیکن ہر رازو! — صردد کرنی بات تھی۔  
..... رازو نے محل کی طرف دیکھا جو اس کے پاس اگر آکر مارنے بیٹھ گیا تھا جیسے کئی  
بڑے راز کی بات کہنا چاہتا ہو۔

رائی اندر ہی اندر مسکرا رہی تھی بولی : پہلے تم کہہ لو، پھر مجھے بھی تم کو  
کچھ کہنا ہے؟

کیا کہنا ہے؟

سے تم کہ لو:

مشکل کہنے ہی والا تھا کہ اس کی نگاہ بڑی پر جا پڑی چو دیلو اب کے پاس کھڑی تھی اور جس کی نگاہ باہر کی طرف تھی اور کان مال باپ کی طرف۔ اس کی طرف دیکھتے ہوئے مشکل بڑے پیار سے بولا — ”بیٹا! تو اندر جا!“

بڑی، اچھوئی سی ہو کر اندر جلی گئی۔ منگل بولالا۔ با تریوں میں ایک رہا کام آیا ہے، پچھیں چیس برس کا۔ ۔ ۔ جگہ رو، جوان ڈسکے کے متعددی کا بیٹا۔ ۔ ۔ زمینیں، مکان، دو کافیں، چار مُراد...”

رانی کے چہرے کی چمک ماند پڑگئی اور وہ کہہ اٹھی: "تب تو وہ —  
اے تو سن تو،" مغل بولا — دہ کہتا ہے میں شادی کروں گا  
توبڑی سے، دنیا کی اور کسی لڑکی سے نہیں:

نہیں؛ رانی نے ایک دم سب کام چھوڑ دیا..... اُسے تقین نہیں

۲۰۷

• تیری قسم • محل نے کہا — اور اس نے آج پہلی بار رانوکی قسم کمان تھی رانی کی سانس تیز ہونے لگی۔ مگرے میں اس کی ڈائیگین کا پر ہوئی تھیں۔ محل سے لپٹنے آپ کو سمجھاتے ہوئے بولی —

”اس نے پڑھی کر دیکھا ہے؟“

مزور دیکھا ہو گا..... شاید نہ بھی دیکھا ہو:

"نہ دیکھا۔ — نہ مل، پھر کے موکالے ہے؟"

۔ کیا معلوم ہے؟“ منگل بولا: گاؤں کے ہمچ بھی بھی پا چاہتے ہیں..... اور  
رُتْ رُجانتی ہے اپنیوں میں پر مشتمل ہوتا ہے؛

• ہاں ”رانی مان گئی ” یخوں میں پر مشتمل ہوتا تو میں آج کہاں ہوں؟ ”

نکھل شہر پتے ہوئے محل جاری ہوا۔ وہ سب کہتے ہیں، تیری

یہ سب کچھ رانی کے لئے ناقابل پرداشت ہو رہا تھا۔ لیکن مغل کہے جا رہا تھا۔  
”دہ کچھ لینے دینے میں بھی نہیں۔ اُٹا سختی سے انکار کرتا ہے“ اور پھر ایکا ایکی کسی  
خیال کے آنے سے وہ کہا اٹھا۔ اس کا یہ مطلب نہیں، میں کچھ دون گھا نہیں مجھ سے  
جو ہو گا، دون کا اپنی بیٹی کر ۔۔۔ پیچے تھوڑی رکھ لوں گا۔

۔ اپنی بیٹی ! ” رانو کے کازوں کو تھین نہ آرہا تھا۔

۔ میں تو اس کے لئے بک جاؤں گا، رازِ یہ ہنگل نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا: چاہیے اس کے لئے مجھے اکا آدر بکی کیوں نہیں پڑیں.....

جب ہی محل کو کچھ یاد آیا۔ تم بھی تو کچھ کہہ رہی تھیں۔ ہے.....  
کچھ نہیں، راز بولی، سرما دانی کو بلوادو..... مجھے ابھی سے اس کے  
ساخہ بات بھی کرنی ہے؟

”سرما دانی؟“ منگل نے دھرا یا اور پھر انھیں پھیلاتے ہوئے دانی کی طرف  
دیکھنے لگا اور بولا ”پسح؟“

رانی نے خفیف سا سر بلایا اور مکرتے، شرماتے ہوئے پرے دیکھنے لگی۔  
اسی دم چزوں، چاچی پورو، بجا بی دیا، جاکی، سردو پا، چھوٹی رانی چندی  
— عورتوں کا ایک غول کا غول اندر چلا آیا۔ تایاں بجا تا، سورج پا تا،  
ناچتا گاتا ہوا —

چورے والی بانہہ کڑھ کے  
منڈا موہ لیا تو تیاں والا  
—  
چورے والی بانہہ دکھا کر تعویز دل والا رکھا موہ لیا۔!  
درڑی داسک مل کے  
منڈا موہ لیا تو تیاں والا  
— درڑی کی چھال ہونٹوں پر مل کر تعویز دل والا رکھا موہ  
لیا — ! — !

منگل نے انھیں چپ کر لئے کئے ہاتھا اور کیا ۔ چزوں — چاچی!“  
پورن دیئے نے کئے برٹھو کر زور سے محل کو ایک دعا کا دیا اور بولی —  
”جائے جا، بڑا آیا ہے۔“

نینگرڑا۔ چون نے بھی دعا کاریا۔

دفان ہو جا ہے و دیا بولی ہے تیرا یہاں ہوتیں میں کیا کام ہے ”  
بے حیا پور دلوں ————— ” تیرا جو کام تھا تینے کر دیا ..... اب جا  
اکا چلا ہے اور پھر زانوں کی طرف رکھتے ہوئے بولی ہے ” لڑاکا پیدا گز ناری  
ایک اور صیحت نہ کھڑی کر لینا ۔ ”

ایک اور بیت مسری رہی ہے۔  
اور مجھی عورتیں اندر کرنے اور منگل کو دیکھنے دے کر باہر نکلنے لگیں۔  
رازو منگل کو پچھلتے ہوئے روپی رہی تھی اور ہنس بھی رہی تھی۔۔۔۔۔ ہائے  
ہائے نی رنڈیلو ہا۔۔۔۔۔ ہائے نی میرا مرد۔۔۔۔۔ نی بس گرد، ہائے  
مارہی ڈالو گی؟۔۔۔۔۔ اور منگل سر کو باز دوں میں دے کر اپنی عزت بجا تا  
ہوا، لمحہ پر لمحہ در داڑھے کے قریب ہوتا جا رہا تھا اور چپلا رہا تھا۔۔۔۔۔  
چاچی۔۔۔۔۔ چون! جاتا ہوں، میں جاتا ہوں۔۔۔۔۔ میری توبہ میں  
باپ کی توبہ۔۔۔۔۔ اور وہ گرتا پڑتا، پکڑ دی سنبھالتا ہوا باہر نکل گیا۔  
اب بیدان عورتوں کے ہاتھ تھا۔ وہ رانی کی طرف بانہیں الار الار کے  
کارہی تھیں۔۔۔۔۔ تاریخ رہی تھیں۔

بودینے کی کردکڑا ہی رے

ہمارا ایسا کرا رال ہو گیا..... ہوا

مادوں دالا یونیورسٹی..... ہوا

ہدوہ پاگل ہو رہی تھیں۔ ان کے گانے اور ناخن کی رفتار تھی کہ کم ہونے کی بجائے تیز ہوتی جا رہی تھی۔ ان کے شور میں کافی پڑی آواز نہ سائی دیتی تھی۔ اسی پر بھی رات نے پوروں کو پہنچ لے جا کر کہہ ہی دیا۔

”بُرْحَانِيُّ ہُرچا جی：“

”بُرْحَانِيُّ کس بات کی؟“ پوروں دیئے نے اپنی طیلی ہوتی ہوئی دھونی کو کہتے ہوئے کہا۔

”بڑی نکلے برمل گیا!“

بڑی جود داڑے میں کھڑی تھی امرج کی طرح لاں ہو کر امدادگار کی اور عورتیں جن کی نظر وہ کے افق پر ہیثیہ دوٹھے رہتے ہیں اور ختم ملکہ غصین۔ جن کے کافی شہناہی کی آواز سننے کے لئے شہروائی آنکھیں پر اتنی دیکھنے کی عنی ہوتی ہیں، ایک دم بے خود اور پاگل ہوا ٹھیں۔ ابھی سے انھیں بڑی کی برا دکھائی دینے لگی، باجھے کی آواز سنائی دینے لگی تھی۔ انھوں نے تو یہ بھی نہ پوچھا لڑکا کون ہے؟ کہاں رہتا ہے؟ کیا کام کرتا ہے؟ انھیں تو زر تار سہرے لگائے، سر پر کلنی سجائے، ہاتھ میں تلوار لئے، گھوڑی پر چڑھا ہوا دھان نظر آرہا تھا اور سالہ جانوروں، بندروں اور سوروں کی برات اجڑ پھٹے پڑاں جیسے ان کا جو بن رہے بارہی تھی اور اب نہ گا رہن تھیں۔

دارٹ نکلے دو بنبو پکتے  
بیٹھ ملگے اُدھارے

باز کی نجی دنیو پکے ہیں۔ جیسے اعماق رہا ہے!

نہ میں بیٹھا لئے دیندی

نہ دیندی رکھوارے

ڈنڈیاں زن دل پے گیا۔ مجھے بین ہلاتے

لے جیسے! نہ میں مول دیتی ہوں، نہ رکھنے کے لئے....

مازک ڈالیوں کو بل پڑ گیا ہے اور مجھے جھوٹنے لگے ہیں۔

ایک اور نے شروع کیا۔

سوہریا بدام رنگیا!

زونہاں گوریاں، پُر تیرے کا لے۔

لے بادام کے رنگ دلے سسر! تیری بھوئی گوری ہیں

(لیکن) بیٹے کا لے..... وہ اپنے تصور میں دنیا بھر کی دہنوں کو  
ان کی سسر ای پہنچا ہکی حقیقیں۔

اس شور کی وجہ سے، دیوی ڈل کے دشمنوں کے لئے آئی ہوئی پوری  
پرکرما، منگل کے مجرم کی طرف پڑ پڑی۔ جیسے دیوی ان مندر میں نہیں، وہاں  
ہے۔ یا جیسے مندر وہاں چلا آیا ہے جہاں خلقت تھے۔ گیان چند سر نجح،  
تارا نگھے نہ رداز کبیر نگھے، میگر، رلدو، دیوانا، کرموا، دُلاؤ، جالا سب اگر  
کھڑے ہو گئے..... کوئی پر عورتوں کے بھٹٹ نظر آنے لگے، نجع  
مردوں کے..... اڑوس پڑوس اور باہر گاؤں کے لوگوں کے علاوہ سُرداران  
بھی آئی جو ساری دنیا میں لاائی تھی اور اب اور دل کو بھی لانا پاہتی

تمہی۔

**جملہ کی غنوں بیٹیاں** — ملائی، مانشہ اور سلامتی بھی جلی آئیں یا لاد  
جملہ کے بڑے بھائی کا رہ کا بھی تھا — مولو بیجس کے بے خردابے نبیں اشادوں  
کی طرف دکھ کر سلامتی شرماد ہی تھی، برمار ہی تھی۔ پھر زادب کی بیوی — مانشہ  
گورداں کی گئی دتی۔..... سب اگلی پھلی کدر و قمیں بھول کر اس لمحے میں  
کھو کھو گئیں.....

پورا درد فریلنے رانی کو بھیز نجع میں گستاخ لیا..... ان سب کے  
درمیان ڈیر بمال ہوا گھوم رہا تھا۔ اے اے اے سب کو سونگھ رہا تھا بے تحاشادم،  
رہا تھا..... رانو کچھ احتیاط، کچھ بے احتیاطی سے نایح رہی تھی۔ اس کے  
بھرے کی شلوار — معلوم ہوتا تھا کو ڈریلنے زنگ کا کوئی سانپ بھے  
جو پیٹا، بل کھاتا ہوا اور پہری اور جارہا ہے..... راز، جس کا مصیبت  
یہ دبایہ احسن آج تک کسی نہ دیکھا تھا، چھانڈوں والے کرنے کے نجع سے  
آنکھیں نامے، چند صیلنے، خیرہ کرنے لگا، میسے کوئی شیطان بچہ رہا تھا میں آئیں  
لے آتے جاتوں پر سورج کی روشنی کا فکس پکلتے، ان کی آنکھیں چند ہیاۓ،  
بار بار اندر ھا کئے جائے.....

نایحی ہوئی عورتوں کی نگاہوں میں دنیا ایک دینے دعویٰ غیض دار زہ بن گئی۔  
جس کے نجع مزد، عورتیں، بچے، بلوڑے سے صرف خلک کرتے۔ پھر دہ بھی زنگ کے  
بڑے بڑے چھینڈوں اور دھبوں میں بدل گئے..... اور آخر، ایک ہی  
زنگ دہ گیا — سورج کی کرنوں کا زنگ۔ جس میں سب ہی زنگ پھپے

رہتے ہیں اور الگ الگ پہچانے جانے کے لئے انسان کے دامنی خود کے محتاج و منظر۔  
 باہر کچھ اور ہی خور مچا اور یہ غول کا غول، جھرمٹ کا جھرمٹ کہنی نئے نگہ پیدا کرتا،  
 ایک دوسرے پر گرتا، پڑتا اند دا زے پر، کوئی ٹھوٹ کی نذر ڈیروں پر اکنؤں کے فن پر پہنچا گی۔  
 یہ جاتری لوگ تھے جو سر جملے دیوی ماں کی بھینیں ملاتے ہوئے کہتے  
 تھے۔ دھوک پہنچتے، پھینکتے بجاتے ہوئے دیوی ماں کی استی گارہے تھے۔ وہ سب کے  
 سب اپنے اپنے گناہوں کا کفارة کرنے پلے آئے تھے۔ گناہ، جو ہر چکتے  
 گناہ، جو ہو رہے ہیں..... گناہ، جو ہونے والے ہیں.....  
 وہ ناپھ رہے تھے، گارہے تھے۔

ما تارانی دے دربار، جوتاں جگریاں

میا رانی یہ۔ - - - -

ہے میا! تیس سنتے بھنیاں گوریاں  
 سر لال پھلائیاں دیاں جوڑیاں  
 ما تارانی دے دربار، جوتاں جگریاں

چھ منظر کھلا اور سب نے دیکھا چودھری مہریان داس اور اس کا  
 بھائی گھنثام، سات سال کی قید کاٹ کر آئے ہے تھے۔ جاتریوں کے خور اور غوغے  
 ان کو ڈلتے ہوئے مال کے پس منتظر میں ان کی گردیں جھکی ہوئی تھیں اور لگا ہیں  
 زمین پر خڑا ہوئی۔ ..... مگریں سجدوں سے دوہری اور کان تو یہ اور  
 شرم سے لال..... صدیوں کے خشوی اور خضیرے کے بعد اپ ان کے ہونٹوں  
 پر چپ پلی آئی تھی اور ان کی یہ چپ داتا نہیں کہہ رہی تھی۔ ....

جب ہی بھڑک کر چیرتا، دھکے دنیا، دھکے کھانا ہوا منگ رانی کے پاس  
پلا آیا اور اسے کندھ سے پکڑا کر، جھنجور تاہو والوں ————— رانی وہی  
..... دھمکا۔ اور اس نے بھتیں مکلتے ہوئے رٹکے کی طرف  
انگلی اٹھائی

رانے دوئے اس خوب صورت لٹکے کی طرف دیکھا اور اس کی نگاہوں  
میں سوکبر چلے گئے۔ من ہی من میں اس نے بڑی کی باہنوں کے ہاراں کے گھرے  
میں پہنادیے اور خود امر بیل بنی اس سے پٹ پٹ گئی — اتنا جوان  
آنا بھیلا، بھردا نہ ملا ہو گا کسی ماں کی بیٹی کو۔ مجست کے جوش میں دبوا نی ہوتی  
ہوئی رانی نے پاس کھردی چزوں کو اپنے بازوؤں میں پکڑا یا اور زور سے لے  
پھینتے، اس کی چیزیں بلانتے ہوئے بولی —

ہائے نیچوں ————— میں تو پار ہو گئی .....  
بڑی بھی عورتوں کے جھروٹ میں سرتکال نکال کر رٹا کے کو دیکھیرہ ہی تھی۔

آپا دعا پی کی اس بھیرنے اس کی سب شرموں کو چھپا لیا تھا، لہو پورے بدن سے کم خیز کراس کے منہ کو آنے لگا تھا۔ وہی لہو سلامتی کے چہرے سے غائب ہو گیا اور وہ اپنی بڑی بہن سے کہنے لگی..... آپاں اگر چل میں تو تھک گئی ۔۔۔۔۔

اور رانی بچوں کی طرح اسے اُسے سب کو اپنا کھلونا دکھوار ہی گئی  
— دیکھا چاہی؟ دو دو تو بھی دیکھے..... دیکھ چکی یہ از ندیجہ  
لاجو.....

پورو چاہی نے دیکھا، دو دلیل نے جانیا، چند ڈنی نے تو لا۔ لا جو، جانکی،  
نگی..... اور رانی سب کی طرف دیکھتی، سر جھکتی ہوئی بولی —  
تھے نا ہے ۔۔۔۔۔

جب ہی رانی کی نظروں کی کڑائی ڈٹ گئی۔ اس نے دیکھا جزوں کے چہرے کا رنگ ایک دم مند درڈ گیا تھا۔ اسی بے بہارے، تریبے کے پھرل۔ کی طرح..... رانی نے ایک تیز سی نظر اس پر ڈالتے ہوئے کہا۔  
ہے نی؟ اور پھر اسی نظرے روکے کی طرف دیکھنے لگی جواب تک فریض آ کا تھا اور نظروں کی جھوکیاں پھیلائی، ہاتھ جوڑے رانی سے کوئی بھیک مانگ رہا تھا۔ رانی نے ایک دم سانس اور پھینگی — میں مر گئی!۔۔۔۔۔

سانس باہر آنے سے پہلے، رانی کے چہرے کی سرخی صاف تاثرانے پر لگا کراڑتی ہوئی نظر آئی اور وہ روئی کی طرح سفید ہو گئی، پہلے ہاتھ کلپنے پھر پڑے کاپڑا پہن تشنی ہو گیا اور وہ روکے کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

”بہو؟ اس نے لرزتے کا پستے ہیئے ہونٹوں کے بینچ سے کھا تو کے  
ردى ہے؟..... میری طرف دیکھ، جس نے بیٹا دیا ہے۔ ہمیشہ بیٹا  
دیا ہے، اجب کہیں بجا کے ایک بیٹا یا ابے۔“

.....  
لختی .....  
ادم پھر اب ہورانی کی روئی کو پایا۔ لینے کے متن میں بڑھا حضور نگہ خود ریں  
کھو گیا۔ اس کی آنکھوں کی گلکھا جنا، اس کی دار ڈھی کے جھل بیلوں میں گم  
ہو رہی تھیں۔ تلو کے کی موت کے بعد آج تک اس کے ہاتھ، کسی نہ ہاتھ آئے  
والي چیز کی تلاش میں کھپ گئے تھے — آواز گلے میں کاپتی رہ گئی

نہیوں بختے لال گواپے  
رمٹی نہ پھر دل جو گا.....

— جوگ! یہے کارکی فاک مت چھان۔ لال جو ایک بار کھو گئے  
وہ کھو گئے۔ اب وہ بھے نہیں ملیں گے، ہاں، لال کے بڑے بھتے لال!

جائیں گے، پھرے مل جائیں گے..... موت..... پنے.....  
پردہ لال؟ ————— نہیں.....

جب ہی تو..... خود سکھ کی آنکھیں اس دنیا کے رشتہوں اور  
بندھوؤں میں کہیں رُل گئی تھیں اور نظارے اس کی بے بی پر روانہ تھے  
اب وہ خود نظارہ تھا اور خود ہی ناظر، آپ تاشا اور آپ ہی تاشانی  
..... اس کے سر پر گیر وے زنگ کی بگڑی بندھی تھی جس کے زیج  
کھل کھل جلتے تھے۔ اس وقت پتو سے وہ اپنی بھی ہوئی آنکھیں اور کیک  
سی ناک پوچھتا ہوا کوئی جوگی، کوئی رمتارام معلوم ہو رہا تھا۔ وہ دنیا کو  
چھوڑ رہا تھا پر دنیا اے نہیں چھوڑ رہی تھی..... آج موت کے  
در دارے پر کھڑے اے کوئی دبجد رشٹی مل گئی تھی اور وہ دیکھنے لگا تھا۔

— جنم ..... مرن ..... اور زیج میں ایک رانی ہو،  
جو شادی کے روز، ایکا ایکی کہیں کتم عدم سے معرض وجود میں چلی  
آتی ہے اور یمنکاری کے چیخے سے اپنی کلبیوں سے آٹی، لال لال چوڑیوں  
سے پٹی، گوری گوری با نہیں نکالتی، چھنکاتی ہے..... ہندی کی  
خوبیوں سے بوجمل ہاتھ جوڑتی، گھونگھٹ کی اڈت سے، نیم نگاہی کی زبان  
میں میتیں کرتی اپنے سر سے کہتی ہے — پتامہ! تو اینا ایک یہ  
بیٹا دے دے بچے۔ میں اس کے بدلے بچے دس دوں گی۔ اسی کی شکل میں  
اسی کی عقل میں..... اور پتامہ کہتا ہے — ہاں  
ہاں بیٹی! اپر یہ بیٹا میرا — ہاں پھر وہ آنسو پوچھتا ہوا منہ پھر

یتا ہے.....

رائی کے لابنے لابنے کیش، حضور نگہد کی الگبیوں سے امداد نے والی شفقت  
کے بیل میں نہایت ہے تھے، پھینٹے اڑا رہے تھے۔ آج اسے اپنے کھونے ہرنے  
باپ کی جگہ کوتی، آسانی باپ پل گیا تھا۔ اسی لئے ہر قسم کے رنگوں کھاؤ بے  
لے نیاز، وہ بار بار اپنا سراس کی چھاتی پر نیخ رہی تھی اور کہہ رہی تھی  
۔ نہیں ..... نہیں بالپو، یہ نہ ہو گا ..... ہے! میری بیٹی!  
— میں مر جاؤں گی، بالپو.....

اس وقت پر کرم کے شے آئی ہوں ساری خلق تھم میکی تھی اور دل کے  
ہونے والوں سے ایک عظیم فیصلے کا انتظار کر رہی تھی۔ معلوم ہوتا تھا رانی  
ہال کہے گی تو دنیا میں بجا میں گی اور نہ کہے گی تو پر لے آجائے گی۔  
مہا پر لے، جس میں کیا انسان اور کیا جوان، کیا پشا اور کیا بچپی، کیا دھرتی  
اور کیا آسمان، سب ناش ہو جائیں گے۔ سے کے پاس کوئی نوح نہ رہے گا  
اور خدا کے پاس کوئی روح ..... شبد میں جنکار نہ رہے گی،  
جیوتی میں پرکاش نہ رہے گا..... اور نیخ پر مشور سامنے کھڑے  
ہاتھ اٹھا کر کوئی دعا میں مانگ رہے تھے اور ان کی دعاویں میں یہ  
بیدعا سادا، محروم مسئلہ بھی شامل ہو گیا تھا.....

جب ہی رانی کو دلاسا دیتے ہوئے حضور نگہد بولا — بیٹا!  
یہ سب کیا ہو رہے ہے؟ ..... کیوں ہو رہے ہے؟ ..... اے  
تو نہیں جانتی، نہ تیں جانتا ہوں اسے یہ لوگ بلنتے ہیں ..... تو

اے بھئے کی کوشش ہمی مت کر..... ایک چپ، پہاں تودم ارنے کی جگہ نہیں.....

رانی نے مرٹ کر دیکھا۔ بڑی کے چہرے پہ ہوا یاں اُڑ رہی تھیں وہ کہہ رہی تھی ۔۔۔۔۔ ماں! یہ تو سیا کر رہی ہے؟ تو نبولی تو میں بن بیاںی دھرتی کی طرح با بھدرہ جاؤں گی..... رانی نے شسرے کے کانڈے پر سے سراٹھایا اور بولی۔ "اچھا بایو، اچھا۔"

ایک دم بھنیں شروع ہو گئیں۔ لوگ پورے جوش و خروش کے ساتھ گلنے، بجانے، غور مجانے لگے، جن کے بیچ رانی نے اپر مندر کی طرف دیکھا۔ سہرے کلسوں سے دیوی کا ملائی قبسم منعکس ہو کر رانی کے چہرے پر پڑ رہا تھا اور اسے منور کر رہا تھا..... خوڑی ہی دیر میں رات ہو گئی اور اندر ہیرا جھا گیا۔ اس پہ بھی ایک تیز، چکا چونڈ کر دینے والی روشنی تھی جو جپک جپک فرر، پک پک کر رانی کی طرف آرہی تھی اور جس نے پوری طرح سے اس کے پدن کا احاطہ کر لیا تھا..... اسی دم مندر میں گھنیوں کا غوفا بیجا، مسجد سے اذان بلند ہوئی اور جہاں کلس تھے، وہاں اندر جسے جس کسی کے ہاتھ پھیلے اور گردن لکھتی ہوئی نظر آئی۔

ایک ڈر تھا..... اور ایک حظ بھی، جن میں ستائی ہوئی راز نے اپنے دو نوں ہاتھ کلسوں کی طرف اٹھا رہی ہے اور روتی دھوتی، رزق کا پتی ہوئی بولی۔

"ماں! ۔۔۔۔۔ ہے دیوی ماں!—!"

جب ہی دیباںے پورو کی کمریں ٹھوکا دیا — لینے پورو!  
سب ہی آئے، ایک تیرا دھرم داس نہیں آیا؟  
— اور پورو جھوٹ موت روئی ہوئی، اپنے ڈھمبوکے  
زایدی باپ کا ماتم کرنے لگی!